حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی قدس سرہٗ

ہادیٔ ہریانہ

ترتیب و تہذیب

منظور الحق صدیقی ایم اے
اُستاد ریاضیات کیڈٹ کالج
حسن ابدال

آئینۂ ادب۔ چوک مینار انارکلی لاہور

بار : اوّل

تعداد : ۱۱۰۰

تاریخ اشاعت : اکتوبر ۱۹۶۳ء

کتابت : رحیم بخش

مطبع : اشرف پریس لاہور

قیمت : دو روپے

اهتمام

م، ع، سلام - آئینۂ ادب

چوک مینار - انارکلی لاہور

شبیہ مبارک ہادیٔ ہریانہ شاہ محمد رمضان
شہید مہمی رح

ترتیب

"ہریانہ میوات اور سوتر میں ہزاروں کافر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور بلا مبالغہ لاکھوں نے کفر و شرک سے آپ کے ہاتھ پر توبۃ النصوح کی"

خان بہادر ڈپٹی مظفر احمد فضلی

تعارف

مشائخ کبار کے مقبول تذکروں میں آپ پائیں گے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ؒ نے ایک مقتول کے سر اور دھڑ کو جوڑ دیا اور انا ساگر سے ایک پیالہ بھر وایا جس میں اس بڑی جھیل کا تمام پانی آ گیا۔ حضرت بابا گنج شکر ؒ چالیس روز تک کنوئیں میں اُلٹے لٹکے رہے۔ سید علاؤ الدین علی صابر کلیری ؒ کے ہاں شیر اپنی دُم سے جھاڑو دیا کرتا تھا، حضرت بو علی قلندر پانی پتی ؒ بارہ سال لگاتار دریا میں کھڑے رہے یہاں تک کہ آپ کی پنڈلیوں کا تمام گوشت مچھلیاں کھا گئیں اور پھر ہمیں یقین دلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان باتوں سے اسلام پھیل گیا۔ اس "مقدس" غلط بیانی کو کرامات کے کھاتہ میں ڈال کر اس پر کئی صدیوں سے خوش عقیدہ اذہان کی پرورش ہو رہی ہے۔ تذکرہ نگاروں کی اس غفلت شعاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوفیاء کرام نے توسیع اسلام اور تذکیہ نفس کے لیے جو کارہائے نمایاں کیے تھے ان کی تفصیل سے دنیا محروم رہ گئی۔ بقول علامہ اقبال ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی

ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی ؒ اس جلیل القدر خانوادے کے گل سرسبد تھے جو سات سو سات سال تک ضلع رہتک میں مقیم رہا اور ان سات

صدیوں میں اس خاندان کے سو فیصد مرد پڑھے لکھے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے متعلق اس قدر تحریری مواد موجود ہے کہ ہمیں آپ کی سوانح عمری لکھنے میں زبانی روایات کا سہارا نہیں لینا پڑا۔ اس بزرگ خاندان کے بارے میں دہلی دربار ۱۹۱۱ء کی سرکاری رپورٹ کے صفحہ ۳۸۱ پر لکھا ہے:

"اضلاع حصار، رہتک، کرنال اور گوڑگاؤں کے مسلم راجپوتوں کو حلقۂ اسلام میں لانے اور ان کی اصلاح کرنے میں اس خاندان نے نمایاں کام کیا ہے۔"

اس اقتباس میں جس خدمت اسلام کا ذکر ہے اس کا زیادہ تر کریڈٹ حضرت ہادیٔ ہریانہ رح کو جاتا ہے۔ آپ نے جو عظیم الشان ٹھوس کام کیا اسے دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا کہ اگر خدا اس نیک بندے سے یہ کام نہ کراتا تو اس کا امکان تھا کہ ۱۸۰۳ء میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے دہلی کی زمام حکومت چھن جانے کے بعد علاقہ ہریانہ کے جری اور بہادر مسلم راجپوتوں کی اکثریت شاید اپنی قدیم حالت کفر کو لوٹ جاتی۔ آپ نے اس قدر ٹھوس کام کیا اور معاشرہ میں ایسی ایسی خوشگوار اور دیرپا تبدیلیاں کیں کہ آپ کے حکیمانہ طرز تبلیغ کا مطالعہ ہر اس شخص کے لیے مفید ہو سکتا ہے جس کا شعار خدمتِ دین ہے۔

منظور الحق صدیقی
یکم ستمبر ۱۹۶۳ء

کرنال
ضلع کرنال
پانی پت
گوہانہ
سونی پت
رہتک
سانپلہ
دوجانہ
جھجر
دہلی

اہردان
فتح آباد
بیگھڑ
حصار
موٹھ
جیند
ہانسی
مہم
بھوانی
علاقہ ہریانہ

۱

ابتدائی زندگی اور حصولِ علم

ولادت : ۱۱۸۳ھ ۱۷۶۹ء مہم

شہادت : ۲۸ جمادی الاوّل ۱۲۴۰ھ

۱۸ جنوری ۱۸۲۵ء مندسور

مرقد : قصبہ مہم ضلع رہتک

ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کا نام تاریخ تولد کا مظہر ہے۔

آپ کی تصنیف آخر گت کا شعر ہے ؎

محمد اور رمضان دونوں ملیں

ہزار اور یکصد تراسی بنیں

آپ مہم میں تولد ہوئے جو اب بھارتی پنجاب کے ضلع رہتک کا ایک قصبہ ہے اور اس وقت اپنے نام پر پرگنہ کا صدر مقام تھا۔ پرگنہ انگریزی عہد کی اصطلاح

میں تحصیل کہلایا۔ یہ قصبہ دہلی سے چونسٹھ اور رہتک سے بیس میل کے فاصلہ پر
اس قدیم شاہراہ پر واقع ہے جو دہلی سے رہتک ہوتی ہوئی ہانسی اور حصار
کو جاتی ہے۔ مہم کو لفظ رحم کے عوامی ملفظ کے وزن پر پڑھنا چاہیئے۔

خاندان آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی انتیسویں پشت سے
تھے۔ آپ کے اجداد میں سے زبدۃ الاولیا حضرت قاضی
قوام الدینؒ جعفری ثم رہتکی پہلے بزرگ تھے جو ساتویں صدی ہجری میں رہتک
میں سکونت پذیر ہوئے۔ قاضی قوام الدینؒ موصوف کے دو فرزند تھے مولانا
افتخار الدینؒ اور مولانا کبیر الدینؒ۔ مولانا کبیر الدینؒ اور ان کے بھتیجے قاضی
عماد الدین ابن مولانا افتخار الدینؒ کو سلطان معز الدین کیقباد نے ۱۲۸۷ء
میں بعض خدمات سپرد کرکے مہم بھیجا۔ یہ پہلے دو مسلمان تھے جو اس قصبہ میں آباد
ہوئے[۱]۔ ازاں بعد اس پرگنہ کی خدمات خطابت، تولیت، میر عدلی، قضا،

---

[۱] مہم میں قدیم ترین کتبہ سلطان عبدالرشید بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی
کے عہد کا ہے۔ مگر قصبہ مہم اس سلطان کی حدود مملکت سے باہر تھا۔ کیونکہ یہ قصبہ
اس قدیم شاہراہ پر واقع ہے جو ملتان کو دہلی سے ملاتی ہے لہذا ممکن ہے کہ
اس میں مبلغوں یا تاجروں کی کوئی جماعت دفن ہو۔ کتبہ یہ ہے: (باقی نوٹ ص۱۱)

افتا اور احتساب تمام مسلم عہد حکومت میں اس خاندان کے پاس رہیں۔اسی
خاندان کے ایک بزرگ مفتی فضل اللہ عرف ماہر وشاہنشاہ ہمایوں کے
دبیر تھے۔ایک اور بزرگ مفتی عزیز اللہ شہیدؒ (شہادت: ۴ محرم ۱۱۰۹ھ
۱۳ جولائی ۱۶۹۷ء) اورنگ زیب عالمگیر کے دبیر خاص تھے۔امام الہند
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پدر بزرگوار شاہ عبدالرحیمؒ کے مدرسہ
رحیمیہ سے پہلے مفتی عزیز اللہ موصوف کا دہلی میں مدرسہ عزیزیہ علوم قرآنی کی
اشاعت کا مرکز تھا۔مفتی عزیز اللہؒ کے فرزند شاہ رزق اللہؒ الملقب بحافظ
عالم خاں اور پوتے شاہ نجم اللہؒ الملقب بحافظ عالم خاں ثانی اور شاہ نجم اللہ
کے بھتیجے شاہ سلام اللہؒ (دادی ہریانہؒ کے خسر) قلعہ معلیٰ دہلی میں شہزادوں
اور شہزادیوں کی تعلیم پر مامور تھے۔

ان مناصب کے علاوہ اس خانوادہ کی شہرت ان مشائخ کرام کی وجہ

(بقیہ نوٹ صفحہ) بسم اللہ العظیم هذه المقبرة الشهداء السادات
القتيل الكفار اطيب الله ثراهم حصل الفراغ من المعارة
في السنة العالم من شهر ذي الحجه اربعين اربعمائة

یکم ذی الحجہ ۴۴۰ھ — ۷ مئی ۱۰۴۹ء

سے بخشی جنھوں نے اس علاقہ میں اشاعت و توسیعِ اسلام کا ٹھوس کام کیا تھا۔
ان بزرگوں میں شاہ نصر اللہ قدس سرہٗ صاحبِ مثنوی جنون العاشقین، شاہ
رزق اللہؒ، شاہ نجم اللہؒ، شاہ کمال اللہؒ، شاہ لطف اللہؒ، شاہ عبد الحکیمؒ
شاہ اوحد مولوی بدر الدینؒ اور شاہ غلام جیلانی رہتکیؒ کے اسمائے گرامی خصوصیت
سے قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت محمد یحییٰ المعروف بہ شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ متوفی
۱۱۳۷ء اپنی تصنیف ملاک الاعتقاد میں شاہ رزق اللہؒ الملقب بحافظ
عالم خاں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "فضیلت را بدرویشی و درویشی را بامنصبداری
جمع کردہ اند" اس خاندان کے بزرگوں میں سے بعض نے مشیخت و افتا و منصبداری
جیسے بظاہر متضاد اداروں کو یکجا کر دیا تھا۔ ایک عالم اور صوفی نظمِ حکومت
سے منسلک ہو کر نرے نظریاتی علم اور ذاتی وارداتِ قلبی کی بھول بھلیاں سے
نکل کر حقیقت پسند ہو جاتا ہے۔ فقیہ و صوفی کی کشمکش ہمارے معاشرے اور
ادب کا جزو لاینفک ہے مگر اس خاندان کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس
کے بیشتر فقیہ صوفی تھے اور تمام صوفی باشرع تھے۔ بعض نسبتاً اہم تر مناصب
کے علاوہ ایک ہی خاندان میں ایک پرگنہ کی خدماتِ قضا، افتا، احتساب،
خطابت، تولیت اور میر عدلی متواتر پانچ صدی تک رہنے سے اس کے

افراد میں جو علمی سوجھ بوجھ رچ بس گئی تھی اس نے علم و فضل و شیخیت کے ساتھ مل کر ایک خوشگوار ماحول بنا دیا تھا۔

ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے والد شاہ عبدالعظیم مجذوب تھے۔ روضۃ الرضوان میں آپ کے اجمالی حالات زندگی اور کرامات کا ذکر آیا ہے۔ دادا ولی کامل اور شیخ وقت حضرت شاہ عبدالحکیم فہمیؒ (۱۷۰۹ء۔ ۱۷۷۳ء) تھے۔ شاہ عبدالحکیم ہریانی زبان کے ابتدائی مصنفین میں سے تھے۔ آپ کی تصانیف پر مرحوم حافظ محمود شیرانی نے اورینٹل کالج میگزین لاہور کی اشاعت فروری ۱۹۳۲ء میں سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ شاہ عبدالحکیمؒ لاہور میں تولد ہوئے جہاں آپ کے والد شاہ لطف اللہؒ الملقب بعطا محمد خاں سہ ہزاری اور نائب صوبیدار تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں شاہ لطف اللہ نے یہ مناصب ترک کر کے خرقۂ درویشی اختیار کیا۔ قبل ازیں شاہ لطف اللہؒ کے برادر بزرگ حضرت شاہ کمال اللہؒ منصب پنجہزاری اور کتاب خانہ شاہی لاہور کی محافظت سے مستعفی ہو کر خرقۂ درویشی اختیار کر چکے تھے۔ شاہ لطف اللہؒ سے اوپر کی چار پشتیں منصب میر عدل پر فائز رہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں کے حالات متعدد کتابوں میں منتشر حالت میں اور روضۃ العنوان میں

میں مجملاً یکجا ملتے ہیں ہم نے اپنی تالیف مآثر الاجداد میں اس خانوادہ کے علماء مشائخ اور منصب داروں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

بچپن ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضانؒ ابھی چار سال کے تھے کہ درویش منش فاضل دادا شاہ عبدالحکیمؒ کا انتقال ہو گیا۔ والد مجذوب تھے۔ چنانچہ آپ کی تربیت کا بار آپ کی والدہ ماجدہ پر پڑا۔ اس خاندان کا معمول تھا کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم عام طور پر خواتین دیا کرتی تھیں۔ شاید یہی وجہ ہے اُس زمانہ میں بھی اس خاندان کا ایک مرد بھی اَن پڑھ نہ تھا اور اسّی فیصد سے زیادہ خواتین کم از کم پڑھنا ضرور جانتی تھیں۔ بعض خواتین اراضی کی خرید و فروخت اور تقسیم ترکہ کے کاغذات پر اپنی مہر ثبت کرتیں اور بعض اپنے دستخط کیا کرتیں۔ آپ کی والدہ بی بی جمال بخت متوفیہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء پڑھی لکھی اور بڑی ہی باضابطہ خاتون تھیں۔ آپ نے ان سے قرآن شریف اور فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

زندگی کا موڑ شیخ عبدالعظیم مجذوبؒ کے دوسرے جلیل القدر فرزند حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ حضرت ہادی ہریانہ شہیدؒ سے

ہ شاہ محمد اسماعیل شہید ہمیؒ (۱۷۸۶ء - ۱۸۵۸ء) اپنے عہد کے جلیل القدر علماء مشائخ میں سے تھے۔ حضرت شاہ غلام جیلانیؒ صدیقی الرہتکی (۱۷۵۰ء - ۱۸۴۰ء)
(باقی نوٹ صفحہ ۱۵)

سترہ برس چھوٹے تھے۔ جس واقعہ کا ہم ذکر کرنے لگے ہیں اس وقت شاہ محمد رمضانؒ
اپنے والدین کی واحد اولاد تھے۔ والد ماجد کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ معمولی سی
زرعی زمین کے مالک تھے جس کی دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے کوئی آمدنی نہ تھی۔
گذراوقات زیادہ تر نذرانوں پر تھی۔ شاہ محمد رمضانؒ کی والدہ اپنے مجذوب
شوہر اور کمسن بچے کو لے کر ہر سال دو تین ماہ کے لیے قصبہ کاہنور چلی جاتیں۔
یہ قصبہ جہم سے پندرہ میل کے فاصلے پر ضلع رہتک میں ہے۔ اس میں مسلم راجپوت
آباد تھے۔ ان دنوں مسلم راجپوت ٹولیاں بنا کر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ جو کچھ لوٹ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴) کے خلیفہ تھے۔ بالخصوص علاقہ میوات آپ کے فیض روحانی سے شاداب
ہوا۔ سوندھ شریف ضلع گوڑگاؤں کے مشہور بزرگ حضرت راج شاہ آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔
حضرت شاہ محمد اسمٰعیل جہی کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کی پاداش میں پھانسی
دی گئی۔ آپ کے ساتھ آپ کے خاندان کے بارہ سربر آوردہ حضرات کو اس جرم کی پاداش میں
تختہ دار پر لٹکایا جن میں آپ کے جلیل القدر فرزند ابو الحسن مولوی سیف الرحمٰن شہیدؒ
(۱۸۱۹ء – ۱۸۵۷ء) بھی تھے۔ مولوی سیف الرحمٰن شہیدؒ خان بہادر پیرزادہ محمد حسین
ایم اے سی آئی ای (۱۸۵۶ء – ۱۹۲۸ء) کے والد تھے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری
کا مجموعہ پیرزادہ انہی پیرزادہ محمد حسین کے نام پر ہے۔

کرلاتے اس کا دسواں حصہ شاہ عبد العظیم مجذوب کی خدمت میں پیش کر دیتے۔

شاہ محمد رمضانؒ چودہ برس کے تھے۔ ایک روز موضع کا ہنور میں اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپ نے ایک پتھر اُٹھا کر پھینکا کہ درخت کے اُوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف چلا جائے۔ تین دفعہ کوشش کی مگر ہر بار ناکام رہے۔ ایک ہمجولی نے کہا اگر میں پھینک دوں تو کیا انعام دو گے؟ آپ نے فرمایا پاس تو کچھ نہیں۔ البتہ تمہارے مرنے کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھ کر تمہاری روح کو بخش دوں گا۔ وہ ہمجولی پتھر پھینکنے میں کامیاب ہو گیا اور وہ بات آئی گئی ہوئی۔

قضائے الٰہی کچھ روز کے بعد وہ لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ نے وعدہ پورا کیا مگر رات کو خواب میں دیکھا کہ مرحوم ایفائے وعدہ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ بیدار ہو کر آپ نے دوگانہ پڑھا اور اس کا ثواب روح کو بخش دیا۔ مگر رات کو پھر مطالبہ ہوا۔ غرض کئی دفعہ ایصال ثواب کیا اور ہر دفعہ مرحوم کو مطالبہ کرتے پایا۔ آپ نے اس کے سبب پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ کہ ننھیالوں میں دھاڑ کی لوٹ کا مال آتا ہے۔ وہ شرعاً حرام ہے اور یہی رزقِ حرام قبولِ دعا میں حائل ہے۔ والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم جو کچھ کھا رہے ہیں ■

جائز نہیں۔ اس لیے سارا خاتون نے جواب دیا کہ یہاں تو یہی ہے اگر ہمت ہے تو کہیں حلال روزی جا تلاش کرو۔ آپ اسی وقت والدہ سے اجازت لے کر بغیر کچھ کھائے پیئے دہلی کے ارادہ سے چل پڑے۔

دہلی کے راستہ میں موضع سانپلہ پڑتا ہے۔ وہاں اس خاندان کے ایک عقیدت مند نے پیرزادہ سمجھ کر آپ کے لیے کھانا پکوایا۔ اس نے میٹھے چاول پکوائے اور ایک کورے مٹکے میں پانی لایا۔ آپ تو کسی کام میں لگ گیا۔ ایک کتے نے مٹکے میں منہ ڈال دیا۔ آپ نے تیلی کو اس کی اطلاع دی تو اس نے کہا کوئی بات نہیں وہ ہمارے گھر کا پلا ہوا کتا ہے۔ آپ بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے مگر کچھ کھائے پیئے بغیر اس گھر سے چل پڑے اور دہلی پہنچ گئے۔[۵]

حصول تعلیم

ان دنوں آپ کے خاندان کے ایک بزرگ شاہ سلام اللہ صدیقی الحنفی (جو بعد میں حضرت شاہ محمد رمضانؒ کے خسر ہوئے) قلعہ معلی میں شہزادیوں کی تعلیم پر مامور تھے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کا حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمۂ قرآن میں ہاتھ تھا۔ اس ترجمہ کی زبان اس وقت کی دہلی کی زبان سے مختلف اور ہریانی زبان سے قریب ہے۔ شاہ

---

۵ روضۃ الرضوان صفحات ۴۴، ۴۵، ۴۶

سلام اللہؒ کا مرقد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خانقاہ کے احاطہ میں ہے
یہ خانقاہ دہلی کے مشہور قبرستان مہندیوں میں ہے۔ آپ کی وساطت سے شاہ
محمد رمضانؒ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور
چودہ سال تک علوم ظاہری اور باطنی سے فیض یاب ہوتے رہے۔ ہفتہ میں
دو مرتبہ منگل اور جمعہ کو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے استفادہ کرتے رہے
اور ان سے سبقاً سبقاً ان کے والد امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی
تصانیف قول الجمیل اور کتاب انتباہ پڑھیں اور دونوں کی اجازت پائی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان سے حضرت ہادی ہریانہؒ کے
خاندان کے تعلقات بڑے قدیم تھے۔ امام الہند شاہ ولی اللہؒ کے جد امجد
مفتی شمس الدین کم و بیش اسی زمانہ میں رہتک میں جا کر آباد ہوئے جب ہادی ہریانہؒ
کے جد امجد زبدۃ الاولیا حضرت قاضی قوام الدینؒ اسی شہر میں سکونت پذیر
ہوئے تھے۔ قلعہ رہتک قاضی قوام الدینؒ اور ان کے خسر قاضی سلطان محمد
سرخ قریشی نے تعمیر کرایا تھا۔ اس قلعہ کے ایک جنوبی برج کے نیچے قاضی
قوام الدینؒ کی قبر ہے۔ ۱۸۵۷ء میں یہ برج حکومت نے منہدم کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا خاندان اس قلعہ سے باہر اس محلہ میں رہتا تھا جو اب سرائے محلہ کہلاتا ہے۔ مزار قاضی قوام الدینؒ اور اس محلہ کے درمیان صرف خندق حائل تھی جو بعد میں پاٹ کر سڑک بنا دی گئی۔ ان دونوں خانوادوں کے افراد میں باہمی رشتہ ہائے مناکحت بھی ہوتے رہتے تھے۔ اگلے باب میں شاہ محمد رمضانؒ کے معتقدین میں حضرت شاہ غلام جیلانی صدیقی المہتلیؒ کا ذکر ہوگا۔ ان کے والد شاہ اہل مولوی بدر الدینؒ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۹۱ء) کی زوجہ ثانی بی بی نادرہ ام اللہ شاہ ولی اللہؒ کے خاندان سے شیخ اکبر علی فاروقی کی دختر تھیں۔ اس فاروقی خاندان کے کچھ افراد ۱۹۴۷ء تک شاہ محمد رمضانؒ کے خاندان کے ساتھ قلعہ رہتک میں آباد رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ (۱۷۰۳ء - ۱۷۶۲ء) کے دادا یا پڑدادا رہتک سے جا کر قصبہ پھلت میں مقیم ہو گئے۔ امداد فی ماثر الاجداد میں شاہ ولی اللہ نے اپنا یہ کرسی نامہ دیا ہے: "ولی اللہ[1] ابن الشیخ عبدالرحیم[2] ابن الشہید وجیہ الدین[3] بن معظم بن منصور[5] بن احمد[6] بن محمود[7] بن قوام الدین[8] عرف قاضی قادن بن قاضی قاسم[9] بن قاضی کبیر[10] عرف قاضی بدہ بن عبدالملک[11] بن قطب الدین[12] بن کمال الدین[13] بن شمس الدین[14] مفتی بن شیر ملک بن ..." (ص ۱) ان میں سے نمبر ۸ شیخ احمد نے قلعہ رہتک سے باہر ایک سرائے بنوائی تھی جسے اب محلہ سرائے کہتے ہیں۔ ان سے

اڈیرہ کی پشتیں اس محلہ میں رہی تھیں۔ جسے مغل عہد حکومت تک قلعہ خورد اور بعد میں ۱۹۴۷ء تک محلہ چھتیاں یا قلعہ کہنہ کہتے تھے۔

دہلی کی سیاسی حالت

ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ چودہ سال (۱۱۹۷ھ تا ۱۲۱۱ھ - ۱۷۸۳ء/۱۷۹۶ء) دہلی میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ سیاسی اعتبار سے یہ چودہ سال بڑے ہی افراتفری کے تھے۔ کہنے کو تو شاہ عالم ثانی شاہنشاہ ہند کہلاتے تھے مگر ان کی عملداری سکڑ کر دریائے پالم سے ستلج تک رہ گئی تھی۔ اس علاقہ پر بھی اصل حکمران وہ تھا جو طاقت کے بل بوتے پر اپنے آپ کو امیر الامراء کے منصب پر فائز کر لیتا تھا۔ نواب نجیب الدولہ کے انتقال پر ۱۷۷۰ء میں کوئل یعنی علی گڑھ کا جاگیردار افراسیاب امیر الامرا بنا۔ اس کے مدمقابل فیروز پور کا جاگیردار محمد بیگ ہمدانی، میرٹھ کا مرزا شفیع اور کئی دوسرے جاگیردار تھے۔ جلد ہی مرزا شفیع اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیاب ہو گیا اور اس نے تین سال بعد افراسیاب کی جگہ لے لی۔ افراسیاب کب خاموش بیٹھنے والا تھا۔ وہ جلد ہی مرزا شفیع کو ہٹوا کر دوسری بار امیر الامرا بنا۔ مگر اپنے مخالفوں سے سخت خائف تھا۔ اس نے اپنی مدد کے لیے وسط ہند کے مرہٹہ سردار مادھو راؤ سیندھیا کو دہلی

آنے کی در پردہ دعوت دی۔ مادھوراؤ لشکر لیے کر دہلی کی طرف بڑھا۔ اسی اثنا میں ایک جاگیردار نے افراسیاب کو قتل کر دیا۔ ۱۷۸۵ء میں مرہٹے دندناتے ہوئے دہلی میں داخل ہوئے۔ مجبوراً شاہ عالم ثانی نے مرہٹہ پیشوا کو وزیر مملکت اور سیندھیا کو اس کا نائب تسلیم کر لیا۔ دو سال بعد غلام قادر روہیلہ نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس نے قلعہ کی دولت لوٹ کر ۱۰ اگست ۱۷۸۸ء کو اکہتر سالہ شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکلوا دیں۔ شہزادیوں کی جامہ تلاشی ہی نہیں بلکہ انھیں ننگا کر کے جسم کی تلاشی لی گئی۔ بعض کو ناچنے پر مجبور کیا۔ نابینا شاہنشاہ کو پانی کی ایک ایک گھونٹ اور چنوں کی ایک ایک مٹھی کے لیے ترسایا اور تڑپایا گیا۔ اس موقع پر شاہ عالم ثانی نے جو آفتاب تخلص کرتے تھے حسب حال ایک غزل کہی جس کے چار شعر یہ ہیں:

آفتاب فلک رفعت و شاہی بودیم
بعد در شام زوال آہ سیاکاری ما

چشم ما کندہ شد از دست فلک بہتر شد
تا نہ بینم کہ بود غیر بسا نداری ما

مادھوجی سیندھیا فرزند جگر بند من است
ہست مصروف تلافی ستمگاری ما

آصف الدولہ و انگریز گر دستور من اند

چہ عجب گر چہ نمایند مدد گاری ما

بالآخر مرہٹے آ گئے۔ غلام قادر روہیلہ نے راہ فرار اختیار کی مگر جلد ہی گرفتار کر لیا گیا اور ۱۳ مارچ ۱۷۸۹ء کو مرہٹوں کے ہاتھوں اس طرح تکہ بوٹی ہوا کہ اس کا ایک عضو بدن کاٹ کر اسے تڑپتا چھوڑ دیا جاتا اور کچھ دیر بعد دوسرا عضو کاٹ کر رقص بسمل دیکھتے ۔؎ ۱۱۹۷

یہ روح فرسا اور عبرت ناک واقعات اس زمانہ میں ظہور پذیر ہوئے جب جواں سال شاہ محمد رمضان دہلی میں تعلیم پا رہے تھے۔ بالواسطہ ان کا اثر آپ کی ذات پر بھی پڑا کیونکہ اب شاہ سلام اللہ صدیقی المہمی آپ کے خسر بن چکے تھے اور ان کا براہ راست قلعہ معلی سے تعلق تھا۔ تاریخ اسلام میں

؎ ان دلخراش واقعات کی تفصیل انگریزی میں پرسیول سپیئر کی کتاب "ٹوئی لائٹ آف دی مغلز" اور اردو میں مرزا علی رضا محزوں مراد آبادی کی کتاب "تاریخ عبرت افزا" میں ملاحظہ ہوں۔ ثانی الذکر کتاب روزنامچہ کی شکل میں ہے جو مرتبہ نے شاہ عالم ثانی کے ولی عہد مرزا جہاندار شاہ کے مصاحب مولوی خیر الدین خاں گوپاموی کی تحریروں سے مرتب کیا۔

جب بھی ایسے واقعات پیش آئے مسلمانوں کے دلوں میں دنیوی جاہ و جلال کی بے ثباتی نقش ہوتی گئی اور رسم و رہ خانقہی کو فروغ ہوا۔ مگر شاہ محمد رمضان مہمی ؒ کا طرزِ فکر اپنے فاضل اساتذہ کی طرح دوسروں سے مختلف تھا۔ اس انقلاب سے آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ دربار شاہی اور طبقہ امراء سے احیائے دین کی توقع عبث ہے۔ انہوں نے اس وقت کے شہری تمدن کو روحِ اسلام سے عاری پایا اور اس کے مردہ جسم میں روح حیات پھونکنے کو اللہ پر اور اپنے فاضل اساتذہ پر چھوڑ کر اپنی زندگی دیہاتیوں کے فکر و عمل میں انقلاب برپا کرنے کے لیے وقف کر دی۔

مزید استفادہ

دہلی سے سند فراغت لے کر شاہ محمد رمضان ؒ اٹھائیس سال کی عمر میں اپنے وطن مہم چلے گئے اور اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ ساتھ ساتھ مطالعہ جاری رہا اور علماء و مشائخ وقت سے مزید استفادہ بھی کرتے رہے۔ زندگی کے مختلف حصوں میں آپ نے جن حضرات سے فیض پایا ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ اور ان کے بھائی شاہ عبدالقادر ؒ کے علاوہ سات نام قابل ذکر ہیں:

۱۔ سید محمد عبدالعظیم گیلانی لاہوری ثم پانی پتی ؒ: حضرت ہادی ہریانہ کے

اور یہیں سوانح نگار شیخ محمد عظیم الدین صدیقی الٰہی نے اپنی تصنیف "ایمن الاعتقاد" میں آپ کا نام سید محمد عظیم لکھا ہے لیکن بعد کے سوانح نگاروں نے اور شجرہ ہائے طریقت میں ہر جگہ سید عبد العظیم لکھا ہے۔ چنانچہ روضۃ الرضوان اور نقیب الاولیا میں عبد العظیم لکھا ہے۔ سید محمد عبد العظیم گیلانی کی ولادت لاہور میں ہوئی۔ وطن کو خیرباد کہہ کر آپ نے پانی پت کے محلہ انصاریان میں اقامت اختیار کی اور وہیں ۱۲۲۷ھ ۱۸۱۲ء میں انتقال ہوا۔ سلسلہ قادریہ میں سید محمد عبد العظیم گیلانی کے پیر طریقت سید حفیظ اللہ قادری (سکندر پڑی کھاٹو علاقہ باروڈہ) متوفی ۲۶ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ، ان کے پیر و مرشد شاہ عبد اللطیف، ان کے شیخ بدھا، ان کے شیخ فتح محمد قادری، ان کے شیخ الہ داد، ان کے شیخ عبد القادر ثالث، ان کے سید محمد غوث، ان کے شیخ زین العابدین، ان کے سید عبد القادر ثانی، ان کے میر شمس الدین، ان کے مخدوم شاہ میر، ان کے سید میر علی، ان کے سید مسعود، ان کے سید صوفی، ان کے سید ابو نصر، ان کے سید سیف الدین عبد الوہاب اور ان کے پیر و مرشد اور والد حضرت عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز تھے۔

حضرت بادی ہریانہ رح نے سید محمد عبد العظیم گیلانی پانی پتی رح سے طریقہ

امامیہ، وہابیہ اور قادریہ میں بیعت کی۔ سید صاحب موصوف نے اپنی تصنیف مصباح السالکین کا ایک قلمی نسخہ حضرت ہادی ہریانہ رح کو دیا تھا جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ واضح رہے کہ حضرت شاہ محمد رمضان کے والد کا نام بھی شاہ عبدالعظیم تھا اور آپ کے ایک خلیفہ شیخ محمد عظیم الدین صدیقی الہمی تھے۔

۲۔ شاہ غلام جیلانی صدیقی الرہتکی رح (۱۷۵۰ء -- ۱۸۲۰ء): حضرت شاہ بدرالدین چشتی القادری رح کے بہ خلعت اکبر زہد و اتقا میں شیخ وقت تھے۔ آپ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ کی ایک تصنیف چوپائیاں سلوک، سے متعلق مرحوم حافظ محمود شیرانی اورینٹل کالج میگزین لاہور کی فروری ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں:

> "یہ چوپائیاں بحیثیت ہریانی زبان میں لکھی گئی ہیں اور فن کی رو سے ان پر نظر ڈالتے بہت بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعری کی حامل ہیں۔ ہندوستان میں ہندی گو شعرا کے طبقے میں ایسے پاکیزہ خیالات و شریفت جذبات کے ترجمان بہت کم شعرا ہوئے ہیں۔ کبیرا در بلھے شاہ کے ساتھ ان کا نام بھی لیا

جا سکتا ہے" (ص ۲۲)

حضرت ہادی ہریانہ رح نے آپ سے منتخب الاعمال، خلافتہ الاعمال

جواہر و ذاہر اسرار سالاری، جواہر نفیسیہ اور لطائف السلوک وغیرہ

کی اجازت پائی نیز سلاسل قادریہ چشتیہ مداریہ اور سہروردیہ میں

بیعت سے مشرف ہوئے مگر باقاعدہ خلیفہ نہ تھے۔ شاہ غلام جیلانی رح کے

نام شاہ محمد رمضان رح کا ایک فارسی مکتوب شرح چوپایاں سلوک (شارح:

حافظ انور علی رہتکی) میں نقل ہوا ہے۔

۳۔ حکیم غلام حسین عرشت حکیم سکھوا گوہانوی رح: آجکل گوہانہ ضلع رہتک

کی تحصیل ہے۔ آپ نے حکیم گوہانوی رح سے طریقہ صابریہ کی خلافت اور

حزب البحر کی اجازت پائی۔

۴۔ سید غلام قطب الدین فرخ آبادی رح: قلندری سلسلہ کے بزرگ

تھے۔ آپ سے قلندریہ قادریہ سلسلہ کی اجازت پائی۔ مسئلہ وحدت الوجود

سے حضرت ہادی ہریانہ رح کی دلچسپی آپ ہی کی توجہ سے ہوئی۔

۵۔ شاہ ارادت اللہ رح: راجستھان میں علاقہ مارواڑ کے قصبہ

بگڑ اسلام کے رہنے والے تھے۔ آپ سے ابوالعلائیہ سلسلہ کی

اجازت وخلافت پائی۔

۶۔ حضرت شائستہ خاں دہلویؒ: آپ سے طریقۂ احمدیہ وغیرہ کی تعلیم پائی

۷۔ میر فتح علی شاہ دہلویؒ۔

۲

شخصیت اور نجی زندگی

ہادیٔ ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمیؒ کی تحریک کی کامیابی میں آپ کے خاندان کی پانچ سو سالہ دینی خدمات اور شاہی اعزازات و مناصب ضرور ممد ہوئے ہوں گے۔ آپ کا خاندان مہم اور رہتک میں اپنے بنائے ہوئے قلعوں میں رہتا تھا۔ ان قلعوں کا آئینِ اکبری میں بھی ذکر ہے (ص ۲۹۲/۳۰۰ ج ۲ جیریٹ) یہ قلعے باقی آبادی سے بہت بلندی پر واقع ہیں۔ ان کی فصیلیں جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد حکومت نے جزوی طور پر منہدم کر دی تھیں۔ قلعہ مہم بعد میں محلہ قضات اور برطانوی عہد میں محلہ پیرزادگان کے نام سے معروف ہوا۔ قلعہ رہتک کو اب تک قلعہ کہا جاتا ہے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ اس خاندان کے دستِ حق پرست پر ان میں سے بیشتر کے اجداد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔

آپ کا قد میانہ تھا۔ بازوؤں کے اعتبار سے ساونت تھے یعنی بازو اتنے طویل تھے کہ انگلیاں قریب قریب گھٹنوں کو چھو سکتی تھیں جسم بھرواں تھا۔ رنگ گندمی۔ پیشانی چوڑی، ابرو کشادہ، سینہ فراخ اور ریش مقطع تھی اس کتاب کے شروع میں ہم نے حضرت ہادی بر پانہ رح کی شبیہ مبارک کا عکس دیا ہے۔ پیرزادہ ابراہیم حنیف (۱۸۹۱ء — ۱۹۶۰ء) اسی خاندان سے تھے اور شاہ محمد رمضان رح کے نواسے کے نواسے اور آپ کے برادر اصغر حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید لہمی رح کے پوتے کے پوتے تھے۔ انھوں نے ایک موقع پر راقم سے فرمایا کہ دہلی میں مصوروں کا ایک قدیم خاندان تھا جس کے ایک فرد نے اپنے ہاتھ سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح اور ہادی بر پانہ شاہ محمد رمضان رح کی جدا جدا تصویریں بنائیں۔ جب دہلی میں کیمرے کا چلن ہوا تو اس مصور کی اولاد میں سے ایک شخص محمد شفیع نے شاہ محمد رمضان رح کی اس دستی تصویر کا فوٹو لیا۔ اس فوٹو کی دو کاپیاں ان محمد شفیع فوٹو گرافر دہلی سے پیرزادہ مرحوم نے ۱۹۱۳ء میں حاصل کیں۔ پیرزادہ صاحب مرحوم کاغذ کے ایک ایک پرزے کو سنبھال کر رکھتے اور اسے ہوا نہ لگنے دیتے تھے۔ ان کے انتقال پر شاہ محمد رمضان رح کی شبیہ مبارک کے دونوں فوٹو پیرزادہ صاحب کے اسباب میں

سے برآمد ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کے نیچے لکھا ہوا ہے "شبیہہ مبارک میاں رمضان شاہ صاحبؒ" اور پشت پر تصویر کش کے دستخط ہیں: "خاکسار محمد شفیع فوٹوگرافر دہلی" ان میں سے ایک کا عکس ہم نے اس کتاب کے شروع میں دیا ہے کیونکہ اس کی اشاعت سے اب کسی فتنہ یا شرک کا اندیشہ نہیں لہٰذا ہم نے اس کی اشاعت کو گوارا کر لیا۔

حضرت شاہ غلام جیلانی صدیقی الرامپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ "ہزاروں کوس کا سفر کیا، اچھی سے اچھی مخلوق الٰہی نظر سے گذری مگر آپ کی ظاہری صورت کا بھی کوئی انسان نہ دیکھا۔ باطنی اوصاف تو کجا[1] سفر حج کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کے رفقا میں سے جو واپس آئے۔ بیان کرتے تھے کہ آپ کی وجاہت و شباہت کو دیکھ کر بعض سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ہندوستان کا بادشاہ ہے۔ جو درویشوں کے لباس میں آیا ہوا ہے[2]

ایک مرتبہ ریذیڈنٹ دہلی مسٹر آکٹرلونی اور مسٹر ولیم فریزر کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا وعظ سننے کا شوق ہوا۔ شاہ صاحب موصوف نے اپنے وعظ میں خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام کے فضائل اور مناقب

---

[1] روضۃ الرضوان ص ۶۱ [2] ایضاً ص ۶۰

بیان فرماتے۔ اختتام وعظ پر آکٹرلونی نے دریافت کیا کہ کیا اب بھی مسلمانوں میں کوئی ایسا ہے جو صحابہ کے مشابہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے۔ انھوں نے شوق زیارت کا اظہار کیا۔ تاریخ مقرر ہوگئی۔ مہم سے شاہ محمد رمضانؒ کو کو بلوا کر اندر بٹھایا مگر انھیں کچھ نہ بتایا۔ اس روز مدرسہ میں ایک جم غفیر موجود تھا۔ آکٹرلونی بھی آئے تھے۔ حضرت محدث دہلویؒ شاہ محمد رمضانؒ کا ہاتھ پکڑے باہر نکلے اور فرمایا "میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں۔ مثل اصحاب کرام یہ صاحب میاں محمد رمضان صدیقی بھی ہیں" مجمع میں سے کسی نے پوچھا کہ مثلِ اصحاب کرام در سیرت یا در صورت؟ آپ نے فرمایا "ہم در صورت و ہم در سیرت" اس وقت حضرت ہادی ہریانہؒ پر رقت طاری ہوگئی اور روتے ہوئے فرمایا کہ ہاتھی کا بوجھ گھوڑے پر رکھا جا رہا ہے۔[۵]

خوش بختی سے آپ کی نجی زندگی کے بعض واقعات ایک خطی کتاب "حالات خواتین" میں مل جاتے ہیں۔ یہ کتاب اب سے نصف صدی پیشتر آپ کے بھتیجے اور دختر کی پوتی محترمہ عائشہ بیگم مرحومہ (والدہ پیرزادہ ابراہیم حنیف مرحوم) نے لکھی تھی۔ اگر یہ شائع ہو جائے تو سوانحی ادب میں ا

---

۵ ۔ روضۃ الرضوان صفحات ۶۷ ، ۶۸

ایک نادر اضافہ ہوگا۔ عام گھریلو باتیں اس طریق پر لکھی ہیں کہ آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا نقشہ آجاتا ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تقریباً ڈیڑھ صدی کی خواتین کا حال لکھا ہے اور اس زبان میں لکھا ہے جو اس عرصہ میں گھروں میں بولی جاتی رہی۔ اپنی دادی یعنی حضرت ہادی ہریانہ کی دختر بی بی خدیجہ (۱۸۱۱ - ۱۸۹۷ء) کی زبان میں لکھا ہے۔ قوسین ہماری ہیں:

"میری اماں (زوجہ شاہ محمد رمضانؒ) ایک پاؤ سوت روز کاتا کرتیں۔ سوت کات کر چارخانہ بنواتیں جس کا پجامہ ہوتا اور چھوٹی سوسی کی انگیا پہنتیں اور اس کا دوپٹہ اوڑھتیں۔ میرے باواجی (حضرت ہادی ہریانہؒ) مکہ گئے تھے۔ برس ماں آئے تو میری ماں کو دادی (والدہ شاہ محمد رمضانؒ) نے بلایا۔ میں بھی دہلی گئی۔ جہاں شاہ محمد رمضانؒ کے خسر حضرت شاہ سلام اللہؒ قلعہ معلی میں شہزادیوں کی تعلیم پر مامور تھے۔ ہم ماں گئی اپنی ماں کے ساتھ۔ ہمارے فجر تو چنے کی روٹی پکی۔ چھا سے کھائی۔ شام کو دلیا ملا تو میں اپنی بہن سے یوں پوچھنے لگی

"یُو یو یہ کیا ہے - اس نے کہا یہ دلیا ہے - میں نے کہا میں نہیں کھاتی اور لگی رونے پیٹنے کہ میں تو گوشت کھاؤں گی - میری دادی (ہادی ہریانہؒ کی والدہ متوفیہ ۱۸۳۷ء) کہنے لگی چھوری کیا کہے ہے ..... میری ماں تو بولی نہیں - میری بہن نے کہا اجی یہ تو گوشت روٹی مانگے ہے - میری دادی نے کہا پڑی بھنے دے موئی کو - چٹوری بن گئی نانا کے رہ کے - اتنے ما میرے باوا جی (حضرت ہادی ہریانہؒ) باہر سے آئے اور پوچھنے لگے یہ کیوں زمین پر پڑی رو رہی ہے؟ میری بہن نے کہا باوا جی ہم نے اسے بہت ہی کہا یہ نہیں مانتی - کہوے ہے میں تو گوشت کھاؤں گی - جب باوا جی نے کہا 'آ بی بی تجھے گھی اور گڑ دلواؤں - چل اماں جی کے پاس' - مجھے اٹھا کے لے گئے اور دادی سے کہا 'اماں جی یہ تمہاری بیٹی تو دلیہ نہیں کھاتی اسے گھی اور گڑ دے دو.....' دادی نے کہا 'موئی کے آگ ڈال - یہ تو بیٹا بگڑ جا گی' باوا جی نے کہا 'اماں جی ایک دو دن میں اس کی عادت سنور جا گی - پھر جو تم دو گی وہی کھا دے گی'.....

اب (میں) نو برس کی ہوئی تو باداجی نے دوسرے کے حج کی طیاری کی تو دادی نے کہا 'بیٹا میں کدھی اجازت نہ دوں گی' بیٹی کا بیاہ کہ دے تو جانے دوں گی، باداجی نے کہا 'اچھا اماں جی جو تم حکم کرو میں وہی کروں گا'۔ وہ گیارہ مہینے باہر رہتے۔ روز دن ما گھر آتے۔ اب کے آئے تو دادی سے پوچھا 'اماں جی خدیجہ کی سگائی کہاں کروگی؟' کہنے لگی: سگائی کو کیا باہر جاؤں گی۔ گھر ما چھوکرا ہے۔ تیرے بھائی کا بیٹا (شاہ عبدالغنیؒ بن شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ) اس سے کروں گی، پوچھا کیا بھائی نے کہا ہے یا تم آپ کہو گی؟ جواب دیا بیٹا میرے جیتے جی کون تو اولاد کا ہے اور کون تیرا بھائی۔ میں آپ کروں گی۔

اب میری بری دان کا ذکر ہوا تو میرے باداجی (شاہ محمد رمضانؒ) نے کہا 'میں تو یہ دان دوں گا: ایک پیڑھا کاٹ کا، چکی، تکیہ بکری کے چمڑے کا جس کے اندر کھجور کے پتے ہوں گے، بوریا، مسواک، جوتے، ستر پیوند کی چادر'، دادی نے پوتے اور پوتی کا دان نکالا۔ تین سو کا زیور،

سو بُدّھے اور بہت سے برتن دیئے .... سارے شہر کی دعوت ہوئی۔ جہاں اب خانقاہ ہے وہاں دیگیں چڑھیں اور چالیس گایاں کٹیں۔ چراغوں کی روشنی ہوئی۔ ایک محلہ ہر روز آکر کھاتا۔ اپنا محلہ بھی ہر محلہ کے ساتھ کھاتا۔" (صفحات ۱ و ۲)

۳

بعض واقعات

ہادیٔ ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان مہمیؒ کی شہادت کو آج ایک سو اٹھتیس ۱۳۸ سال گزر چکے ہیں مگر آپ کے خاندان کے افراد اور عقیدت مندوں کی زبان پر آپ سے متعلق سینکڑوں واقعات اس طرح آتے رہتے ہیں گویا کل کی بات ہے۔ گو بہت سی زبانی روایتیں بھی بے اصل نہیں مگر ہم انھیں نظر انداز کرتے ہوئے انیس الاعتقاد اور روضۃ الرضوان سے چند واقعات یہاں نقل کرتے ہیں:

۱۔ آپ کے خلیفہ شیخ عظیم الدین کو آپ کی سوانح حیات لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ قلم دوات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا "حالات ما گناہاں است" (میرے حالات زندگی میں گناہوں کے علاوہ اور کچھ نہیں)

۲۔ ایک روز دہلی میں مجمع کثیر میں سرگرم وعظ و نصیحت تھے۔ ایک قاصد آیا۔ اور

آپ کے اکلوتے خوردسال فرزند کی وفات کی خبر سنائی - سن کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا الحمد للہ آنحضرت کی یہاں بھی پیروی ہو گئی اور پھر وعظ میں مصروف ہو گئے۔

۳- ایک مرتبہ ایک بزرگ نے شاہ محمد اسحاق دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہ محمد رمضان کا پتہ دریافت کیا اور کہا کہ رویا میں ایک بزرگ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جنبولا ملاتے دیکھا میری التجا پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ محمد رمضان ہیں۔ شاہ محمد اسحاق نے فرمایا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں مگر ان کا راز افشا نہ کرتے پھرو۔

۴- بارہ وفات کے موقعہ پر درگاہ قدم شریف دہلی ضرور تشریف لے جاتے - ایک مرتبہ وہاں جاتے جاتے سواری کو لوٹا دیا۔ سوئے اتفاق اسی روز مجمع میں گڑبڑ ہو گئی اور اٹھارہ آدمی مر گئے۔

۵- ہر بات کے اکثر مقدمات کا فیصلہ آپ ہی کیا کرتے تھے - ایک مرتبہ دہلی کے نوربافوں کے خاندان کا ایک تنازعہ کا فیصلہ فرمایا۔ قوم کے چودھری نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نور بافوں نے آ کر التجا کی تو آپ کے منہ سے نکل گیا کہ ہم نے تو شریعت کے مطابق فیصلہ کر دیا جو نہ مانے کنویں میں پڑے

خدا کی قدرت چند روز بعد وہ چودھری کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں تانی تنی ہوئی ہوئی تھی۔ وہ بچ کر دوسری طرف ہوا۔ وہاں کنواں تھا۔ اس میں گر کر مر گیا۔

۶۔ ایک روز آپ بہلی میں سوار ہو کر قلعہ دہلی میں ضیافت کے لیے جا رہے تھے۔ داخلہ کا انتظام لاہوری دروازے سے تھا۔ ابھی چاندنی چوک (دہلی کا ایک کشادہ بازار) میں پہنچے تھے کہ ایک کمبل پوش درویش نے بہلی پر ہاتھ رکھ دیا۔ آپ نے گاڑی بان کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ درویش موصوف تھوڑی دیر نگاہ سے نگاہ ملا کر فتح پوری کی طرف چل دیئے۔ زبان سے کچھ نہ کہا۔ قلعہ کے قریب پہنچ کر آپ نے گاڑی بان سے فرمایا کہ دہلی دروازے سے اندر چلو۔ جب دہلی دروازے پر پہنچے تو شاہی کارندوں نے معذرت کی کہ آپ کو تکلیف ہوئی ہوگی۔ اطلاع تو لاہوری دروازے کی دی گئی تھی مگر اسی دروازے سے بادشاہ سلامت سے ملاقات کے لیے ریزیڈنٹ آ رہے ہیں لہٰذا اس دروازے سے عام آمد و رفت بند کر دی گئی۔ آپ نے فرمایا ہم ادھر گئے ہی نہیں۔

۷۔ ایک روز دوجانہ سے موضع کاہنور تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ

میں دیکھا کہ ایک ہندو جاٹ درد سے تڑپ رہا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا۔ اس نے کہا "تو رام تو ہے نہیں جو پوچھ کر مجھے اچھا کر دے گا۔ پھر بتا کے کیا کروں" آپ نے گاڑی سے اُتر کر دیکھا تو اسے ناسور کا مرض تھا۔ آپ نے کلام ربانی پڑھ کر دم کیا۔ اسی وقت درد جاتا رہا۔ جاٹ دعائیں دیتا ہوا گاؤں کی طرف چلا گیا۔ بلند آواز میں کہتا جاتا تھا کہ جسے رام دیکھنا ہو دیکھ لے یہ جا رہا ہے۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے اس "رام" کے درشن کو نکل آئے اور آپ کی بہلی کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طاقت رام میں ہے نہ مجھ میں۔ فقط اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

۸۔ دہلی کا انگریز ریذیڈنٹ ولیم فریزر ہندوستانیوں سے بہت میل جول رکھتا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے قتل (۱۸۳۵ء) میں اعانت کے جرم میں مرزا داغ دہلوی کے والد نواب شمس الدین خاں والی فیروز پور جھرکہ کو پھانسی دی گئی تھی۔ عوام اسے زبیدن اور فریدن کہا کرتے تھے۔ اس انگریز حاکم نے جو ان دنوں نائب ریذیڈنٹ تھا ضلع رہتک کے موضع گنگانہ کی ایک قبول صورت ہندو جاٹنی کو اغوا کر کے اپنے گھر میں ڈال لیا تھا۔ اس اغوا پر مسلمانوں اور ہندوؤں میں بے چینی پھیل گئی تھی۔ فریزر نے حضرت

شاہ محمد رمضانؒ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اپنے مریدوں کو بدامنی سے باز رکھیں
آپ نے اس معاملہ میں پڑنے سے انکار کر دیا اور فرمایا جاٹنی واپس ہوتی چاہیے
اس پر ناراض ہو کر فریزر نے حضرت ہادی ہریانہ کے والد کی وہ جاگیر ضبط کر
لی جو بھینی سرجن اور اس کے توابعات ماتوا اور سارنگ پر مشتمل تھی۔ لفظ بھینی
پنجابی لفظ ڈھوک کا ہم معنی ہے۔ یہ بھینیاں ہم سے چار پانچ میل کے فاصلہ
پر ہیں اور نواب دوجانہ عبدالصمد خاں نے ۱۸۰۸ء میں شاہ عبدالعظیمؒ مجذوب
کو بطور نذر پیش کی تھیں۔

ولیم فریزر نے جس ہندو جاٹنی کو اغوا کیا تھا، اس کا نام سَرَدَن تھا۔
ہریانی زبان میں سردن کا گیت اب تک مقبول ہے۔ ہمارے پاس اس
گیت کا وہ قلمی نسخہ ہے جسے مرحوم حافظ محمود شیرانی نے اورینٹل کالج
میگزین لاہور کی اشاعت فروری ۱۹۳۲ء میں نقل کیا۔

سَردَن کا گیت

ڈھر کلکتہ سے چلا فریدن، پانچوں پیر منائے پانچوں پیر منائے
پانچ مقام دلّی میں کر کے چھٹا گنگا نے گاؤں رب جانے چھٹا گنگا نے گاؤں

ڈھوسے کنویں پہ تنیو تانا، سسرون ملتی تاہ — رب جانے سرون ملتی تاہ
گلی گلی چپڑاسی پھر گئے۔ گھر گھر تھانیدار — ترا مرلو تھانے دار
کہے فریدن گام سنے دے سُن لے سارا گام — ترا مرلو سارا گام
جو کوئی سرون بھال لگا دے۔ ہاتھی دوں انعام — رب جانے ہاتھی دوں انعام

کسی بیری نے بھال لگائی، نترون کھیت کو جائے — رب جانے سرون
سر پہ چھبڑا ہاتھ ماہ درانتی، باجرہ کاٹن جائے — ترا مرلو باجرہ
باجرہ کاٹتی سرون پکڑی، درانتی ڈھونگے ماہ — ترا مرلو
سرون رو رو گال سنائے ہنس ہنس ٹالے تھانیدار — ترا مرلو تھانیدار

ہاتھ ماہ بیلوا، بیلوے میں کنگھی، سیس گندھاون جائے — رب جانے
ایسا تو بہرا گو ندنا کی سے سانپ لہریئے کھائے — ترا مرلو
نایاں کے گھر سرون بیٹھی، باہر بکائے تھانیدار
سرون رو رو گال سنائے ہنس ہنس ٹالے تھانیدار

اڈا سلٹا گوتدے نائی کے ۔ ہٹسا ڈالیو جای　　ترامریو

ملنا ہے تو مل رے نائی کے، پھر کیا ہو نرپاہ

بھائی بہناں سب تو مل گئے، امی چند ملتا ناہ

گام گنگا نے سو لبو بسیو، امی چند اڈتا جا　　ترامریو

ء

دھرتی کا بیٹھنا چھوڑ دے ری سردن، مونڈھے کا بیٹھنا لے

اوڈھنی کا اوڑھنا چھوڑ دی ری سردن، ٹوپی کا پہنا لے

گھگرا، آنگی پہرنا چھوڑ دے ری سردن، ساتے کا پہرنا لے

پیپکا بیٹھنا چھوڑ دے ری سردن، گانا بجانا لے

سرم لاج کو چھوڑ دے ری سردن، ہاتھ ملانا سیکھ

۴

ہریانہ کی حالت

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بڑے عالم شہروں کو اپنا مرکز بناتے ہیں ۔
یہاں خیال کی اشاعت کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔ ان کے جیسے اجڈ گنوار
دیہاتیوں کی سطح پر آکر اشاعت دین کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ مصلحین کے
ابتدائی مخاطب بھی ذی شعور لوگ ہوتے ہیں اور پھر ان کے ذریعہ عوام
میں تحریک پھیل جاتی ہے۔ ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ
نے بھی شہروں کو نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ نماز جمعہ اکثر دہلی میں ادا کرتے
اور وہاں وعظ بھی کرتے تھے۔ کرنال، حصار، رہتک، گوڑگاؤں، مغربی اتر پردیش
(یوپی) اور راجستھان کے اکثر شہروں میں آپ کی محفل وعظ و تلقین منعقد ہوتی رہتی
تھیں۔ تاہم آپ کی زیادہ توجہ ہریانہ، سونتر اور میوات کے دیہات کی طرف تھی۔
ضلع حصار کے اکثر حصے، ضلع رہتک کے نصف حصے اور دادری اور

دوجانہ کے بعض حصّوں پر مشتمل علاقہ کو ہریانہ کہتے ہیں۔[۵]

اضلاع رہتک، حصار اور ان سے ملحقہ دوسرے اضلاع کے بعض حصّوں کو جہاں حضرت ہادی ہریانہؒ کی تحریک زیادہ مؤثر ثابت ہوئی ہم آگے کے صفحات میں سہولت کے لیے ہریانہ سے موسوم کریں گے۔ ہریانہ میں کسی زمانہ میں بھی مسلمان کل آبادی کا بیس فیصد سے زیادہ نہیں ہوئے۔ چند دیہات میں مسلمان اکثریت میں تھے باقی ہر گاؤں میں دو دو چار چار مسلم گھرانے تھے۔ اس علاقہ میں بلوچ، پٹھان اور عربی النسل مسلمانوں کی معمولی سی تعداد تھی۔ باقی مسلمانوں کے آبا حضرت ہادی ہریانہؒ کے اجداد اور دوسرے بزرگانِ دین کی مساعی سے مسلمان ہوئے تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں راجپوتوں کی تعداد زیادہ تھی۔

ہادی ہریانہ کی اصلاحی تحریک کا آغاز ۱۷۹۶ء میں ہوا۔ یہ تحریک اُنتیس سال تک اپنے بانی کی رہنمائی میں چلتی رہی۔ اس عرصہ کا بیشتر حصہ اور اس سے پہلے کے کچھ سال کو ہریانہ کا دورِ بدامنی کہنا مناسب ہے۔

۵۔ امپیریل گزٹیئر ج ۱۳ ص ۱۵ اور امپیریل گزٹیئر انڈو مسلیکا ۱۴-۱۹۱۳ء ص ۳۵

پایہ تخت کے قرب اور صوبہ دہلی کا ایک حصہ ہونے کی وجہ سے اس کا نظم و نسق اچھا رہا۔ مغل حکمرانی کے عہد پیری میں بادشاہ کے وکیل مطلق (ریجنٹ) کی حیثیت سے ۱۷۸۵ء میں علاقہ دہلی کا انتظام مرہٹوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ ان کی سکھوں اور جاٹوں سے روز روز کی لڑائیوں نے علاقہ کا امن تباہ کر دیا۔ میرٹھ کے مرہٹہ گورنر آپا کانڈی راؤ کے انتقال پر اس کے منہ بولے بیٹے اور فوجی سردار جارج طامس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر کے ۱۷۹۸ء میں ہانسی کو اپنا صدر مقام بنایا۔ شاہ محمد رمضان رح کا وطن مہم بھی اسی کی حدود مملکت میں تھا۔ کئی خونریز لڑائیوں کے بعد مرہٹوں نے اسے گرفتار کر لیا (۱۸۰۲ء)۔

اگلے سال ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو مرہٹوں کو شکست دے کر انگریز دہلی میں داخل ہو گئے۔ انگریز سپہ سالار لارڈ لیک پیش قدمی کر کے سکھوں سے ٹکر نہ لینا چاہتا تھا۔ اس نے یہ علاقہ اپنے وفاداروں میں تقسیم کر دیا۔ روہتک اور مہم کا علاقہ پہلے ہادی ہریانہ کے خاندان کے سربرآوردہ فرد مستقیم الدولہ محمد احسان خان بہادر نصرت جنگ کو پیش کیا گیا (ابن مفتی عبدالرحمان ابن مفتی محمد جعفر ابن مفتی حبیب اللہ صدیقی المہمی)۔ انہوں نے اس پیش کش

کو قبول نہ کیا تو یہ علاقہ پہلے نواب معین الدین خاں پھر نواب احمد بخش خاں والئ لوہارو اور ۱۸۰۶ء میں نواب عبدالصمد خاں بانی ریاست دوجانہ کو ملا۔ جو اس پر ۱۸۰۹ء تک حکمران رہے۔ آخر الذکر نواب حضرت شاہ محمد رمضان رح کی اصلاحی تحریک کے پر زور حامیوں میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت ہادی ہریانہ رح کے والد بزرگوار شاہ عبدالعظیم رح کو ہسم کے نواح میں ایک جاگیر بندہ کی۔ یہ جاگیر بھیلی مرجن، ماتو اور سارنگ پر مشتمل تھی۔ اس عہد بدامنی میں نواب عبدالصمد خاں بھی اس علاقہ کا انتظام نہ کر سکے۔ سکھوں نے اس علاقہ کو روند ڈالا اور مجبوراً نواب نے یہ عطیہ انگریزوں کو واپس کر دیا۔

۱۸۰۹ء میں ہریانہ براہِ راست ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آ گیا اور صوبہ دہلی کا حصہ قرار پایا۔ صوبہ دہلی کے انگریز حاکم اعلیٰ کو ریذی ڈنٹ کہتے تھے۔ یہ کسی قاعدے کے ماتحت نہ تھا۔ اس کی صوابدید پر صوبہ کے انتظام کا انحصار تھا۔ اس کے تین سے چھ انگریز نائبین ہوتے جو اپنی ناتجربہ کاری اور کم عمری کے باعث کسی بھی انتظام کو چلانے کے نااہل تھے۔ ۱۸۱۵ء میں "سول کورٹ کا صدر مشکل بیس سال کا ہوگا ..... فوجداری

کی عدالت کا صدر اس سے کبھی چھوٹا تھا"[1]۔ ان نو عمروں نے علاقہ میں وہ ادھم مچائی کہ لوگ سکھوں اور مرہٹوں کے مظالم بھول گئے۔

نام نہاد عدالتیں قائم ہوئیں تو جھوٹ فریب اور رشوت ستانی نے فروغ پایا۔ قدیم پنچایتوں اور قاضی کی عدالت کے برخلاف ان اضلاعی عدالتوں میں مقدمہ بازوں کو جھوٹ بولنے کی تربیت دینے کے لیے وکیل مل گئے۔ "پنچایت کے سامنے ایک شخص آسانی سے جھوٹ نہ بول سکتا تھا کیونکہ حاضرین اس کی زندگی بھر کے اقوال و اعمال سے بخوبی آگاہ تھے۔ اگر وہ صداقت سے انحراف کرتا تو اس کا پڑوسی بخوبی اس کی تردید کر دیتا"۔ "لیکن اب دور دراز عدالت میں کوئی بھی باریک بین اور چوکنا پڑوسی نہ ہوتا جو اسے راہ راست پر رکھتا۔ کوئی باخبر مجمع نہ ہوتا جو شاباش یا لعن طعن سے دوال تبصرہ کرتا رہتا"[2]۔

عدالتوں کے ساتھ پولیس آئی جس سے متعلق اس زمانہ میں لارڈ مینٹنگ نے اوبر کو لکھا "پولیس کا انتظام بے حد و حساب خراب ہے"[3] "تفتیش کا سہارا

---

[1] بے سیول بیپیر: لوٹی لائٹ آف دی منلز ص ۹۴

[2] لوٹی لائٹ آف دی منلز ص ۹۴ [3] لوٹی لائٹ ص ۹۵

لے کر یہ ہر کہ دمہ کو تھانے میں لے جاتی جس سے لوگوں کی نظروں میں بزرگوں کی وقعت گر گئی۔ یہاں تک کہ بھنگی جن سے سراغرسانی کا کام لیا جاتا تھا اپنے آپ کو سرکار کا خفیہ افسر سمجھتے۔

بیگار نے لوگوں کی عزت نفس کو کچل کر رکھ دیا۔ انگریز افسر، ان کے کارندے اور یورپی سیاحوں میں سے ہر ایک اپنے اس "حق" کو استعمال کرتا۔ دیہات سے بیل گاڑی، اونٹ، دستکار، مزدور ہر ایک سے مفت کام لیا جاتا۔ لوگ چپڑاسیوں کے بنڈل اٹھائے ہوئے میلوں تک ساتھ چلتے۔ "کسی ملازم کی سواری آتے دیکھ کر لوگ بھاگ کر چھپ جاتے۔ گاؤں سے دور گئی ہوئی عورت اپنے بچے کے ساتھ یا اس معصوم کو کلیجہ سے لگائے ہوئے اور ساتھ ہی کسی بڑے آدمی کا ساز و سامان اٹھائے ہوئے نظر آتی اور یہ بڑا صاحب ہاتھی پر ٹوٹتا ہوتا یا پالکی میں بیٹھا ہوتا۔"[۵]

لیکن جس چیز نے علاقے کے لوگوں کو مفلوک الحال بنا دیا اسے مالیہ کا جائز نام دیا جاتا تھا۔ کمپنی کے ابتدائی دور میں گاؤں کے مالیہ کی بولی لگتی ہوتی۔ اور دہلی کے کسی مہاجن کے نام چھوٹ جاتی۔ کمپنی اس سے نقد روپیہ

۵ لوری لائٹ آف دی مغلز ص ۹۱

وصول کر لینی اور وہاجت اناج کی صورت میں من مانے بھاؤ پر مالیہ وصول کرنا۔ اکثر حالات میں جان لیجیے کہ یہ قرض سود در سود کے بعد وصول ہوتا رہتا۔ زمین کا بندوبست زمین کی پیمائش کے بغیر کیا جاتا۔ پھر دو تبدیلیاں کر دیں۔ گاؤں کے چودھری یا کسی جاگیردار کے نام ٹھیکہ کی بولی چھوڑ دی جائے اور دوسری یہ کہ جنس کی بجائے نقدی میں مالیہ وصول کیا جائے۔ فصل کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر لیا جاتا۔ اسی نصف میں سے کاشتکار کو مزید چار واجبات دینے ہوتے:

(۱) پٹواری کا الاؤنس

(۲) سرکاری ہرکاروں کی آؤ بھگت کے اخراجات

(۳) چوکیدار کی تنخواہ

(۴) جعلی سکوں کا تاوان: حکومت مالیہ کے ہر روپے کے ساتھ فی روپیہ کچھ رقم وصول کرتی تھی اور کہتی تھی کہ یہ اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے ہے جو حکومت کو کھوٹے سکوں سے ہوتا ہے۔

اس طرح جھلسنے والی دھوپ میں مہینوں عرق ریزی کرنے کے بعد کسان کے پاس اتنا بھی نہ بچتا تھا کہ اگلی فصل تک اپنے بچوں کا پیٹ پال سکے۔ وہ وقت آ گیا کہ زمیندار نے کہا کہ اپنی کھیتی باڑی کو وسعت دینے کی ہم کیوں کوشش

گویا جیسا ہماری نسل گورنمنٹ سے پاتی ہے جو مرہٹوں سے زیادہ خون چوسنے کی عادی ہے اور افغانوں سے زیادہ نا اہل۔ پھر بھاگ بھاگ کر دوسری جگہ بس جانا شروع ہوا۔۔۔ کرنال میں بندوبست افسر کا سامنا کرنے کی بجائے دیہاتی سب کے سب بھاگ گئے۔۔۔۔ قبائل میں کوئی بات کرنے والا نہیں کیونکہ وہ بے آباد ہو گیا ہے۔ تین سالہ بندوبست کے دیہات کی فہرست کے سامنے لگاتار متروکہ و برباد شدہ لکھا جاتا۔[۵]

نتیجہ یہ نکلا کہ جھوٹ اور فریب کو فروغ حاصل ہونے لگا۔ خاندان کے بزرگوں کی وقعت کم ہوئی تو نظم خاندان میں رخنے پڑ گئے۔ صدیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی دیہاتی خود مختاری کا خاتمہ ہوا۔ اس سے پہلے مرہٹہ گردی کے زمانہ میں بعض قبائل خانہ جنگی میں مصروف تھے تو اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں حکومت کی جابرانہ اور تباہ کن پالیسی کی وجہ سے ان کی جنگجویانہ صلاحیتوں کو جلا ملی اور اکثر قبائل کی توجہ کاشتکاری سے ہٹ کر خون ریزی کی طرف ہو گئی۔ رہزنی اور غارت گری کا شمار جائز پیشوں میں ہونے لگا۔ ہندوؤں کو موقعہ مل گیا کہ اپنے ہم نسل مگر تعداد میں بہت کم مسلمان جاٹوں اور راجپوتوں کو تبدیلی مذہب پر

---

[۵] پیپر سیول پیپرز: ٹوری لائٹ آف دی مغل صفحات ۱۰۸ و ۱۰۹

مزاحمتیں مسلم راجپوتوں میں سے کسی کی ایک نہ چلتیں اسلام پرگنہ کی تقدیر کو
کسی کی پانچ چھپر۔ جن دیہات میں وہ اکثریت میں تھے وہاں تو ہندو حملہ آوروں
کا دندان شکن جواب دیتے۔ بلکہ قوت لایموت سے مجبور ہو کر وہ ٹولیاں بنا کر
ہندو دیہات پہ خود بھی حملہ کر دیا کرتے۔ جن دیہات میں مسلم راجپوت اقلیت
میں تھے وہ اس حد تک ہندوؤں کے ساتھ معاشرتی مصالحت پر مجبور ہو
گئے کہ وہ نماز نہ پڑھتے اور ٹھاکر دواروں میں جا کر دیبی کی پوجا کر لیا کرتے۔
مسلم جاٹ تعداد میں بہت ہی کم تھے۔ کسی گاؤں میں بھی ان کی اکثریت نہ تھی۔
انھیں اب تک مولا جاٹ کہا جاتا ہے۔ یہ بیچارے اس حد تک مجبور ہو گئے
کہ انھوں نے اپنے نام ہندوؤں کے سے رکھ لیے اور یہ مصالحت اتنی دیرپا
ثابت ہوئی کہ ڈیڑھ صدی گزرنے کے بعد ہم نے خود بیسیوں مولا جاٹ ایسے
دیکھے ہیں جن میں سے کسی کا نام رام دین تھا تو کسی کا نام سنگھ یا شاکر رام مگر
گنتے اپنے آپ کو مسلمان تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ہریانہ کے مولا جاٹوں
میں تقریباً نصف نے ہندومت اختیار کر لیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دورِ حکومت میں علاقہ دہلی میں، جس میں
تمام ہریانہ شامل تھا، جنگل کا قانون رائج تھا۔ اس بدنظمی کا حال اس زمانہ

کے ریذی ڈنٹ - دہلی سر چارلس مٹکاف سے سنئیے :

"جیسے دہلی میں اتنی فوج نہ تھی کہ نزدیکی دیہاتیوں کو خوف زدہ کیا جائے - جب ریذی ڈنٹ کے اختیارات کی خلاف ورزی اس شہر کے ارد گرد چند میل میں ہوتی تھی - جب اس کی ضرورت تھی کہ بالکل ہی نزدیک ریذی ڈنٹ کے اختیارات منوانے کے لیے دوسرے ضلع سے فوج منگوانی پڑتی اور بندوقوں سے مسلح پیدل فوج کی ایک بٹالین اور سواروں کا ایک سکوڈرن استعمال کرنا پڑتا - جب گشتی دستوں کو ہراساں کرنے والے دہقانیوں کی وجہ سے فوج تیار رکھی جاتی - جب دیہاتیوں کو غیر مسلح کرنا لازمی تھا - جب عملاً تلوار ہل کا پھل بنا دی گئی تھی - جب ہر قریہ چوروں کا ساتھی تھا اور شہر دہلی کے متصلہ دیہات کے حصے بخرے کیے ہوئے تھے جن میں ہر ایک رشتہ دار اپنی مقررہ حدود میں لوٹ مار کیا کرتا - جب یہ لازم تھا کہ بندوبست کرنے والے افسر کے ہمراہ پیدل فوج کی پوری کمپنی ہو اور اس فوج کو بھی تباہی کا خطرہ لاحق ہوتا اور اسے طعنے ملتے کہ تمہاری توڑے دار بندوقیں

ہم دیہاتیوں کے بچوں کے کھلونے بنیں گی۔ جب ایک روپیہ بالیہ وصول کرنے کے لیے جو بالالادہ کم مقرر کیا گیا تھا (!!) بندوقوں سے مسلح پیدل فوج کی ایک بٹالین بھیجنی پڑتی تھی۔ جب صرف ایک گاؤں کو، جو بے فصیل اور ذرائع مدافعت سے عاری ہوتا، مطیع کرنے کے لیے پیدل فوج کی پانچ بٹالینوں کے علاوہ سوار اور توپ خانہ ضروری سمجھے جاتے تھے اور جب حملہ کا انتظار کیے بغیر دیہاتی اس فوج پر حملہ کر بیٹھتے تھے اور اپنی بھرتی سے کم از کم تھوڑی دیر کے لیے اس بڑھتی ہوئی فوج کے قدم ڈگمگا دیتے تھے۔[۱]

مذہبی اور معاشرتی حالت

مسلمان حکمران چھ صدی تک تخت دہلی پر رونق افروز رہے مگر دہلی کے گردونواح پر نظر ڈالی جائے تو پچاس ساٹھ میل فی قطر میں ایک ضلع بھی ایسا نہیں تھا جہاں مسلمان کل آبادی کا چالیس فیصد سے زیادہ ہوں۔ دہلی میں کس کس پایہ کے علما اور مشائخ ہوئے ہیں مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہریانہ کے جنگجو قبائل دینی اعتبار سے اتنے بے خبر تھے کہ وہ ان قبیلوں کی نسلوں

---

[۱] انڈیا آفس ہوم مس سیلےنیس ۷۷۶ رپورٹ آف ۱۸۱۵ء پیرا ۲۰۱

سے بھی شاداب نہ ہوسکے۔ ہمارے پاس متعدد ایسے شاہی فرامین موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کم و بیش ہر مسلمان بادشاہ ہریانہ کے بعض علمی اور صوفی منش خانوادوں کو وجہ مدد معاش کے طور پر جاگیریں دیتا رہا تاکہ وہ اسلام کی اشاعت و توسیع کر سکیں۔ مثلاً صرف ہانسی ہریانہ کے خاندان کے افراد کے نام جو فرامین بیچ رہے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ علما، مشائخ، خطیب، موذن، مسجد کے جاروب کش، بعض طالب علم اور بے سہارا خواتین کو تمام مسلم عہد حکومت میں حکومت کی طرف سے مدد معاش ملتی رہی۔ اکثر فرامین میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ "بیچ وجہ معیشت مقرر نیست"۔

چنانچہ فرمان اکبری مصدرہ ۹۸۳ھ کی رو سے منقبت مآب، صلاح آثار شیخ اشرف وجماعہ کو مواضع کو تانہ اور پادہ میں تین سو سات بیگھہ پختہ یعنی ۱۹۱ ۵/۸ ایکڑ (ایک بیگھہ = ۵/۸ ایکڑ، ڈسٹرکٹ گزیٹیر روہتک ۱۹۱۰ء) اسی حکمران کے ایک دوسرے فرمان مجریہ ۹۸۱ھ کی رو سے فضیلت شعار صلاح آثار شیخ احمد وجماعہ کو دو سو بیگھہ پختہ یعنی ایک سو پچیس ایکڑ زمین ملی۔ فرمان اکبری مجریہ ۲۸ ربیع الثانی ۹۸۷ھ کے مطابق مجملہ دو ہزار چار سو تیس بیگھہ یعنی ۱۵۱۸ ۳/۴ ایکڑ اراضی کے:

(۱) شریعت مآب فضیلت آیات تقوی شعار قاضی اشرف و جماعہ کو ۳۹۵ بیگھہ

(۲) منتخبہ المشائخ العظام شیخ حبیب خطیب و جماعہ کو ۱۰۸ بیگھہ پختہ

(۳) تقوی شعار صلاح آثار مفتی محمد و جماعہ کو ایک ہزار بیگھہ پختہ یعنی ۶۲۵ ایکڑ اراضی بطور وجہ مدد معاش ملی۔

مذکورہ بالا اسماء کے ساتھ جو القاب ہیں وہ شاہی فرامین سے نقل ہوئے ہیں اور جماعہ سے مراد افراد کنبہ ہیں جن کا کفیل نامبردہ ہوتا تھا۔ اسی فرمان کی رو سے ایک طالب علم شیخ محمود کو چھپن بیگھہ اراضی ملی اور رقم جزیہ میں سے ایک ٹنکہ یومیہ ملا حالانکہ اس طالب کے والد حیات تھے اور صاحب جاگیر تھے۔

شاہنشاہ جہانگیر کا ایک فرمان محفوظ ہے جس کی رو سے ایک خاتون بی بی لوہان کو ۱۷۵ بیگھہ اراضی ملی۔ فرمان عالمگیری مجریہ ۵ رمضان ۱۰۸۶ھ کی رو سے صلاحیت آثار خان محمد مؤذن اور چار سیکش مسجد کو دو سکہ مبارکہ یومیہ ملتے تھے۔ فرمان عالمگیری مصدرہ ۱۳ ربیع الاول ۱۰۸۱ھ کی رو سے مشیخت مآب شیخ اجمیری وغیرہ کو پچاس بیگھہ اراضی ملی۔ اسی شاہنشاہ

کے فرمان مجریہ ۱۱ محرم ۱۰۹۳ھ کے ذریعے دس خواتین کو دو سو بیگھہ اور فرمان مجریہ غرہ ربیع الاول ۱۰۹۶ھ عہد عالمگیری کی رو سے "مسماۃ قیاحق بانو، خدیجہ، رقیہ، رفیعہ و رضیہ از ابنائے زبدۃ الاولیا قاضی قوام الدین رہتکی" (حضرت ہادی ہریانہ کے ہند ہیں مورث اعلیٰ) کو پچاس بیگھہ اراضی محض اس لیے ملی کہ اور کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا یعنی علمی اور مشائخ کے خاندانوں کی بے سہارا خواتین کو اپنے کھاتے پیتے رشتہ داروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دیا جاتا تھا بلکہ ان کے معیار اخلاق اور عزت نفس کو قائم رکھنے کے لیے حکومت کی طرف سے مالی امداد ملتی تھی۔ اسی قسم کے بعض فرامین شاہ عالم ثانی تک کے عہد کے موجود ہیں۔

شاہی اعانت اور علما و مشائخ کی مساعی کے باوجود ہریانہ میں مسلمانوں کی تعداد مجموعی آبادی کا تقریباً چھٹے حصے سے بڑھنے نہ پائی جن میں مسلم راجپوت اکثریت میں تھے۔ انھیں رانگھڑ کہا جاتا تھا۔ یہ خونخواری کی حد تک دلیر تھے۔ ملک کے سیاسی عدم استحکام اور جاٹوں، مرہٹوں اور سکھوں کی یورشوں نے ان کی خوئے غارت گری کو اور بھی چلا دی۔ بلکہ لوٹ مار اور غارت گری میں ہندو جاٹوں اور اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں پر بھی

سبقت لیے ہوئے تھے۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ اگر وہ ان باتوں میں دوسروں سے بڑھ کر نہ ہوتے تو شاید تبدیلیٔ مذہب کی وجہ سے ختم کر دیے جاتے۔

ہم عصر اور ذرا بعد کی کتابوں اور غیر مطبوعہ نظموں، کہاوتوں اور روایتوں سے اٹھارویں صدی عیسوی کے ہریانہ کے راجپوتوں کی دینی اور معاشرتی حالت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ دور جاہلیت میں عرب اپنی نو مولود لڑکیوں کو زندہ یا مار کر دفن کر دیا کرتے تھے۔ مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخیر تک ہریانہ کے بہت سے مسلمان راجپوت اپنے آپ کو کسی کا سالہ یا خسر کہلانا عار سمجھتے تھے اور اپنی لڑکیوں کو زندہ یا مار کر دفن کر دیا کرتے تھے۔ جو راجپوت ایسا نہ کرتے وہ اپنے قدیم رسم و رواج کے مطابق قریبی رشتہ داروں میں اپنی لڑکی کی شادی نہ کرتے۔

تمدنی اعتبار سے مسلم اور ہندو راجپوت میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا۔ ان کا لباس، ان کی تقویم، ان کی زبان، رہن سہن اور عید بقرعید کے علاوہ تہوار اور دیگر مشاغل ہندو راجپوتوں کے سے تھے۔ وہ ہولی اور دیوالی بھی مناتے تھے۔

ان میں مذہب کے نام پر وہ تمام توہمات موجود تھیں جو ہندو اصنام پرستی کا خاصہ ہیں۔ لونا چماری، سرور سلطان، شیخ سدو، زین خاں اور گوگا پیر ان کے خیالی دیوتا تھے جن کے غضب سے بچنے کے لیے منتیں مانتے، چڑھاوے چڑھاتے اور کئی اور رسوم ادا کرتے۔

ایسی توہم پرستی تو آج کے مسلمانوں میں بھی کہیں نہ کہیں مل جائے گی مگر ایک عام قاری کو یہ معلوم کر کے صدمہ ہوا ہو گا کہ ہریانہ کے راجپوت مسلمان اب سے دو صدی پہلے دشترگشی کیا کرتے تھے اس پر اتنا اور اضافہ کر لیجیے کہ یہ "مسلمان" دیبی کی پوجا بھی کرتے تھے۔ اور یہ دیبی سیتلا (چیچک) کا تھا۔

خان بہادر پیرزادہ مظفر احمد فضلی (۱۸۵۷ - ۱۹۳۰ء) ڈپٹی کلکٹر اشتمال ۱۸۹۰ء میں حصار کے علاقہ سوتر میں تحصیلدار تھے۔ انھوں نے حضرت ہادی ہریانہ کے ایک ہم عصر ہریانوی راجپوت عالم حافظ رحمت خاں کی کتاب موسومہ تحفہ ایمانی اور دوسرے تحریری ریکارڈ کے مطالعہ کے بعد اپنی کتاب نقیب الاولیا کی جلد دوم دفتر دوم مطبوعہ ۱۳۳۲ھ میں علاقہ سوتر کے مسلم راجپوتوں کے متعلق لکھا:

"عرب جاہلیت میں جیسا کہ قبیلہ قبیلہ کا بت جدا تھا اسی طرح سو تر میں ہر کام کے واسطے نئی بدعت اور نیا شرک قوم کا مسلم آئین ہو رہا تھا۔ کیا مرد کیا عورت کھلے بند کفار کی رسوم کے پابند تھے دھڑلے سے مسلمان دیبی کو پوجتے تھے۔ پیپل، جنڈ، کیکر کی پرستش کرتے تھے۔ آگ کو، دیپ، چراغ کو دیوتا جانتے تھے۔ گنگا کو مانتے تھے۔ دودھ، ناج، مال، دھن، بیل، گائے، بھینس، پیر، استاد، ماں، باپ کی قسم کھاتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جس گھر میں آٹھوں پہر آگ محفوظ رکھی جاوے گی وہ گھر نہ صرف افلاس کی تاریکیوں سے محفوظ رہے گا بلکہ آگ کی بدولت سے نعمتوں کی برکات کا نور اس گھر کے در و دیوار پہ سورج بن کر چمکتا رہے گا ..... عورتوں نے دودھ کا نام برہمن رکھا ہوا تھا"[1]

یہی مصنف اپنی تصنیف سیمرغ میں ہریانہ کے اٹھارویں صدی عیسوی کے مسلم راجپوتوں کے تمدن کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ ہم خوف طوالت سے صرف

---

[1] صفحہ ۳۵

بعض شعر نقل کرتے ہیں:

۱- ہے جو ہریانہ میں قوم راجپوت
سر بسر ہے میرے دعوے کا ثبوت

۲- ان کا یہ آئین یہ دستور تھا
ہر کوئی اس رسم پر مجبور تھا

۳- لڑکی اجب ہوتی تھی پیدا لاکلام
زندہ در گور اس کو کرتے تھے تمام

۸- جانتے تھے کسر شان داماد کو
قتل کرتے دختر ناشاد کو

۱۰- ہر قبیلے میں یہ رسم عام تھی
زندگانی موت کا پیغام تھی

۱۲- لڑکیوں ہی کی نہ تھی کچھ گت بری
شرک سے تھی ملک میں حالت بری

۱۳- سیتلا کو پوجتے تھے جابجا
یہ مرض گویا کہ اک معبود تھا

۱۶ؔ۔ ہولی دیوالی مناتے تھے تمام
کافروں کی رسم پر تھے خاص و عام

۱۷۔ مانتے تھے بھوت پریوں کی نیاز
جانتے تھے ان کو اپنا کارساز

۱۹۔ ذہین خاں کی منتوں کا دور تھا
شرکیات کفار کا سب طور تھا!

۲۰ؔ۔ ہر گلی کوچہ میں با شور فغاں
تھا علم گوگا کی چھڑیوں کا فشاں

۶ؔ ہریانہ میں ہولی اور دیوالی کے تہوار تقریباً تمام ہندی الاصل مسلمان منایا کرتے تھے۔ حضرت ہادی ہریانہ کی مساعی سے مسلمانوں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ کی شہادت کے بعد ہمیں ایک مثال ایسی ملتی ہے جہاں بعض مسلمانوں نے ہولی منائی۔ چنانچہ روضۃ الرضوان میں مرزا دلی بیگ رئیس ہانسی کا ذکر آیا ہے جس نے ہولی منائی اور حضرت ہادی ہریانہ رح کے جانشین حضرت شاہ عبدالغنی (۱۸۱۳-۱۸۹۱ء) نے اس سے توبہ کرائی۔ ۷ؔ مشہور ہے کہ گوگا پیر بیکانیر کے موضع دوایرہ یا دُدریرہ کا چوہان راجپوت تھا۔ اس کا باپ جیور تبی اور ماں سمات باچھل دختر (باقی ص ۹۲)

۲۱۳- تھا کوئی لونا چماری کا غلام
ٹوٹکوں میں جانتا تھا اپنا کام

۲۱۴- شیخ سدّو کی نیازوں کا تھا زور
مول تھا بکروں کا بس کچھ سے کچھ اور

۲۱۵- ہر بشر کے شرک سے میلی دثار
تھا زباں پہ نعرۂ یا دم مدار

(بقیہ ص۶۳) راجہ کنور پال سرد یہ تھی۔ یہ سمت ۱۲۰۶ (۱۱۴۹ء) میں پیدا ہوا۔ زمین کے تنازعہ پر اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کر دیا۔ اس کی ماں نے بد دعا دی۔ یہ صحراؤں اور جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ کرب کی حالت میں اس نے دعا مانگی کہ زمین پھٹ جا اور مجھے سما لے۔ ایک آسمانی آواز آئی کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہے تو مسلمان ہو جائے۔ یہ مسلمان ہو گیا۔ اور زمین نے اسے نگل لیا۔ اس وقت اس کی عمر اکیاون سال تھی۔ اس کا مزار حصار سے پینتیس ۳۵ میل کے فاصلہ پر علاقہ بیکانیر میں ہے جس کے متولی چہال راجپوت ہیں جو مسلمان ہیں۔ مرہٹے اسے رشی کا درجہ دیتے تھے۔ ۲۱۳ لونا چماری یہ ٹونے ٹوٹکوں کے فن کی امام سمجھی جاتی تھی۔ اگر یہ کوئی افسانوی شخصیت نہیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کس زمانہ میں تھی۔ آسیب کے اثر (باقی ص۶۵)

٢٧ - ٹھاکروں کی بھینٹ چڑھتی تھی کہیں
غیر کے سجدے میں گھستے تھے جبیں

٢٨ - گودتے تھے تیل سے اپنا بدن
اک نئی تصویر تھا ہر عضو تن

٢٩ - میتوں پر سوگ رکھتے سال بھر
بین کرتے ان کے حال و قال پر

٣٢ - جانتے تھے دست پیری کو کمال
شیر مادر تھا انھیں غیروں کا مال

(بقیہ صفحہ ٦٢) سے نجات پانے کے لیے اس کا وسیلہ تلاش کیا جاتا تھا۔ جب
کسی کو خلل دماغ ہو جاتا تو یہ باور کیا جاتا کہ شیخ سدو کی یا روح جھو کی یا دلی کی
جوان بیوی کا بکرے کی قربانی مانگتی ہے۔ چنانچہ یہ قربانی دی جاتی تھی۔ حینگ کے
نشہ میں "ملنگ" "یا دم مدار" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ دستانۃ الاخبار، فلاح دارین اور
گنجینہ سروری سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بزرگ کو شاہ مدار کہتے ہیں ان کا نام بدرالدین
تھا۔ مزار مکن پور میں ہے اور تاریخ وفات ۸ جمادی الاول ۸۴۰ھ ہے۔ ان سے
تصوف کا مدار یہ سلسلہ چلا۔ صوفیا کے نزدیک قطب مدار کا ہر زمانہ میں ہونا ضروری ہے

۴۴۔ جانتا کوئی نہ تھا روزہ نماز
محو تھا نام خدائے بے نیاز

آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اس بیان میں قطعی شاعرانہ مبالغہ نہیں۔ اسی مصنف نے آگے بتایا ہے کہ کس طرح ہادئ بریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید رحمۃ نے ایک ایک کر کے ان میں سے ہر رسم و رواج کا خاتمہ کر دیا:

۴۹۔ غیب سے ظاہر ہوا ابر کرم
جس کا سرمرکز تھا نیسانِ حرم

۵۲۔ حضرت رمضان رحمۃ نے باعزم درست
وعظ پر باندھی کمر، ہمت کی چست

۵۳۔ قوم کو تعلیم دی، تلقین کی
قوم کو باتیں سکھائیں دین کی

۵۴۔ قوم کی کتنی روزمرہ جو زباں
مسئلے اس میں کیے سارے بیاں

۵۶۔ ان کو سمجھائے مفصل کھول کر

ٹھیٹھ موتی ان کی بولی بول کر

۵۷۔ ہو گئی اک آن میں کایا پلٹ

شرک و بدعت کا گیا دفتر الٹ

۶۵۔ گل ہوا رسم جہالت کا چراغ

ہو گیا سرسبز پیغمبر کا باغ

۶۷۔ لڑکیاں لڑکوں سے پیاری ہو گئیں

باغ میں پھولوں کی کیاری ہو گئیں

۷۱۔ شرک میں ڈنکا بجا اسلام کا

راجپوتوں کا فلک پر غل ہوا

۷۵۔ اندر سے جو ملے دیوتاؤں کے ہوئے

ڈیڑھ پونے ماسواؤں کے ہوئے

۷۹۔ زین خاں نے لی رہ ماک فراد

لب کو بھولا نعرہ یا دم مراد

۷۷۔ کفر پہ غالب ہوا حق کا چلن

شیخ سدو کا ہوا بکرا ہرن

۷۸۔ گل ہوا دیبی کی منت کا چراغ

ہے دل شیطان میں حسرت کا یہ داغ

۷۹۔ سرنگوں گوگا کا جھنڈا ہو گیا

جوش نار جہل ٹھنڈا ہو گیا

مگر یہ اصلاح اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے نہیں ہو گئی جیسا کہ درج بالا اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک عظیم مصلح حکومت کی مدد کے بغیر لاکھوں انسانوں کی کس طرح کایا پلٹ سکتا ہے۔ اس کا بیان ہم اگلے باب میں کریں گے۔ اگر اس وقت ان قبائل کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو اس کا قوی امکان تھا کہ ۱۸۰۳ء میں مسلمانوں کے ہاتھ سے زمام حکومت چلے جانے کے بعد یہ اپنی قدیم حالت کفر پر لوٹ جاتے اور اس طرح یہ خود بھی خسارے میں رہتے اور مسلمان بھی ان لاکھوں جری بہادروں سے محروم رہ جاتے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت جیمیؒ کی تحریک کے نتیجہ پر یہ لوگ تمدنی، معاشی اور اخلاقی اعتبار سے اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں سے ہر حال میں بدرجہا بہتر ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں یہ تمام قبائل ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ آزادی و تعمیر پاکستان میں ان قبائل کی خدمات بڑی ہی درخشاں ہیں۔

۵

اصلاحی کارہائے نمایاں

تیسرے باب میں ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمیؒ کی کتابِ زندگی سے صرف آٹھ معمولی واقعات محض اس لیے درج کر دیے گئے تھے کہ ایک طبقہ ایسی ہی باتوں کو عظمت کی دلیل سمجھتا ہے۔ اُس باب میں جن اوصاف کا ذکر ہوا ہے بیشک وہ آپ کی بلندیٔ کردار کے آئینہ دار ہیں مگر ہیں بہرکیف شخصی۔ آپ نے معاشرہ میں اتنی زیادہ اور ایسی خوشگوار اور اتنی بنیادی تبدیلیاں کیں جن کے اثرات اب بھی بآسانی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ بقول مصنف تقیب الاولیا:

> "ہریانہ، میوات اور سوترہ میں ہزاروں کافر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور بلا مبالغہ لاکھوں نے کفر و شرک سے آپ کے ہاتھ پر توبۃ النصوح کی"[۵]

---

۵ تقیب الاولیا جلد ۲ دفتر دوم ص ۵۵

آپ کے بارے میں محقق حافظ محمود شیرانی مرحوم اورینٹل کالج میگزین
کی اشاعت فروری ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں :

"وہ ہریانہ دیس کے صحیح معنوں میں مصلح اور ہادی ہیں ۔ ان
کی عملی زندگی کے کئی پہلو ہیں یعنی فقیہی ، روحانی ، اصلاحی اور
ادبی"

کارکنوں کی تربیت

آپ ہر طالب کو بیعت نہیں کرلیا کرتے تھے مگر جسے بیعت سے مشرف فرما لیتے وہ آپ کے
رنگ میں رنگا جاتا ۔ اس کی تربیت کا پورا خیال رکھتے ۔ مہم میں ذکر و عبادت
اور مہمان خانہ کے طور پر استعمال کرنے کے لیے ایک دو منزلہ حویلی تعمیر
کرائی تھی ۔ کیونکہ محلہ بھی بلندی پر تھا اس لیے پانچ میل سے نظر آتی گرمی
میں اپنے آبائی محل کے زیرین دو تہ خانے میں قیام ہوتا تھا ۔ وہیں بیس پچیس
درویش آپ کے ساتھ حلقہ ذکر ہوتے ۔ باقی درویش محلہ اور شہر کی مساجد میں
ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ۔ درویشوں کی یہ جماعت خود کھیتی کیاری کر کے اپنے
اور غریب مسافروں اور مستحقین کے لیے غلہ پیدا کرتی ۔ کھیتی کے لیے زمین کچھ
تو ان درویشوں کی اپنی تھی اور کچھ زمین مسلم راجپوتوں نے دے دی تھی ،

جسے دوہلی کہتے تھے۔ ان دو ہلیوں کے سرکاری واجبات اصل وہ ادا کرتے اور فصل خریف کا فنڈ ہوتی۔ مواضع کاہی، پوٹھی ضلع روہتک اور ہانک اور دانگ ضلع حصار کی دو ہلیاں تو شاہ شہید کے ورثاء کے پاس ۱۹۴۷ء تک تھیں گو ان کی آمدنی تمام تر مزارعین کے مصرف میں آیا تی تھی۔

اس فنڈ سے حضرت بادی سرباب آپنی ذات پر کچھ خرچ نہ کرتے بلکہ اپنی آبائی زرعی زمین کی مختصر سی آمدنی میں گزر اوقات کیا کرتے۔ گزشتہ سطور میں رہائشی محل اور حویلی کا ذکر ہوا ہے۔ یہ محل آپ کے پڑدادا شاہ لطف اللہ الملقب بہ عطا محمد خاں سہ ہزاری نائب گورنر لاہور سے بنوایا تھا۔ شاہ محمد عثمان کے زمانہ میں عمارت کے اعتبار سے تو اسے محل کہا جا سکتا تھا مگر ساز و سامان کی قسم کی اس میں چیزیں نہ تھیں۔ صبح چنے کی روٹی چھاچھ کے ساتھ اور شام کو نمکین یا گڑ کا دلیہ آپ کی عام خوراک تھی۔ آپ کی اہلیہ گھر کے استعمال کے لیے خود چکی پیستیں اور سوت کات کر اپنے اور بچوں کے لیے کپڑے بنواتیں۔ اس خاتون کے والد شاہ متمول تھے۔ دہلی میں قیام تھا۔ قلعہ معلیٰ میں شہزادوں کی تعلیم پر مامور تھے ان نیک بی بی کی پرورش دہلی میں ہوئی مگر انہوں نے کبھی یان نہیں

دکھایا۔

درویشوں کی جماعت کو آپ خود تلقین فرمایا کرتے تھے۔ انہی میں ایک احمد نامی گاڑی بان تھا جو ہندو جوگی سے مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں رہتا تھا اور آپ کا رتھ بان تھا۔ اس کی نازبرداریاں دیکھ کر ایک بار آپ کے پیرومرشد سید محمد سعید اعظم گیلانی لاہوری ثم پانی پتی رح نے فرمایا "میں نے بارہا سوچا کہ تمھارے پاس سینکڑوں آدمی کیونکر کھنچے چلے آتے ہیں اور آگے جانے کا نام نہیں لیتے اور جاتے ہیں تو روتے ہوئے جاتے ہیں آج معلوم ہوا کہ تمھارا حلم سب کو کھینچ لیتا ہے"۔

ان درویشوں میں ایک انگریز بھی تھا۔ دہلی میں آپ کا وعظ سن کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ ان تربیت یافتہ درویشوں نے تبلیغ و اشاعت دین کا بڑا کام کیا۔ یہ ہادیٔ ہریانہ رح کی اصلاحی تحریک کے فعال ترین کارکن تھے۔ آپ کے رشتہ دار بھی ان درویشوں کا نام عزت سے لیتے اور تعظیماً ان کے نام کے ساتھ لفظ میاں جی ضرور استعمال کرتے۔

ایک تبلیغی دورہ | ان درویشوں کی معیت میں آپ سال کے کم وبیش

ے روفتہ الرضوان ص ۸۵

گیارہ مہینے وطن سے باہر رہتے۔ ماہ رمضان گھر پر عبادت و ریاضت اور تصنیف و تالیف میں گزارتے۔ ایسے ایک دورے کا حال ’’روضۃ الرضوان‘‘ اور تقیب الاولیا میں تفصیلی درج ہے۔ جسے ہم اختصار کر کے یہاں درج کرتے ہیں۔ حوالے تقیب الاولیا سے ہیں:

آپ حضرت قطب جمال ہانسویؒ کی درگاہ میں ہانسی میں قیام فرما تھے کہ سوتر کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد میں شاہ محمدؒ لودلہ، مولوی نور محمدؒ سکنہ رانیہ، حافظ رحمت خاں سکنہ موسیٰ کھیڑہ اور خاصتی غلام محمدؒ فتح آبادی بھی تھے۔ یہ ضلع حصار کے سربر آوردہ نیک سرشت بزرگ تھے۔ انھوں نے عرض کیا ’’آپ کے فیض برکات سے ہریانہ اور تمام ملک آں سوئے حصار، رسوم قبیحہ سے نجات پا چکا ہے۔ لوگ فسق و فجور سے تائب ہو چکے ہیں۔ دختر کشی کی دیرینہ رسم مفقود ہو چکی ہے۔ لیکن سوتر اور گھیانہ میں ہنوز خاص و عام اس بلا میں گرفتار ہیں۔ سارنگ نیا بیگھڑ کا زیلدار ..... جہالت ..... میں اپنے زمانہ کا ابو جہل ہے۔ اسی طرح فتح آباد میں لدھو نامی نمبردار کبر و غرور میں فرعون بے سامان ہے۔ سوتر میں دختر کشی کی رسم ان ہی مردکوں کی نامردی سے زندہ ہے[۵]‘‘

---

۵ صفحہ ۹۳

یہ باتیں سن کر آپ بہت ملول ہوگئے۔ آبدیدہ ہو کر بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوئے۔ اگلے روز اس وفد اور اپنے درویشوں کی جماعت کے ساتھ ہانسی سے چل پڑے۔ راستہ میں جو آبادی آئی وہاں وعظ و تلقین کرتے ہوئے بگھڑ پہنچ گئے۔ بگھڑ مسلم راجپوتوں کا قصبہ تھا جنہیں پچھادے کہتے تھے۔ پچھادے غالباً اس لیے کہا جاتا تھا کہ یہ دوسرے راجپوتوں کی نسبت جنہیں دیس وال کہا جاتا تھا کچھ نسل بعد اس علاقہ میں آکر آباد ہوئے۔ مگر یہ اس تخصیص کو ناپسند کرتے تھے۔ بگھڑ ضلع حصار کی تحصیل فتح آباد کے صدر مقام سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں آپ نے کئی روز قیام فرمایا۔

پہلے روز مجمع کثیر کے سامنے وعظ فرمایا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہو رہا تھا کہ سارنگ نمبردار سے نہ رہا گیا وہ دوران وعظ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ ہم یں شریعت کے احکام ماننے میں کوئی عذر نہیں مگر اپنی لڑکیوں کو زندہ رکھ کر کسی کا سالہ یا سسر بننا ہمیں گوارا نہیں۔ نیز اپنے بزرگوں کی طرح ہم اس بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ اپنی چچازاد بہن کو اپنے نکاح میں لے آئیں۔

سارنگ علاقہ میں بااثر تھا اور اس کے ہم خیالوں کو کمی کی نہ تھی اسی لیے اُسے دوران وعظ آپ کو ٹوکنے کی جسارت ہوئی۔ اس سے جلسہ میں کچھ بدمزگی کے آثار پیدا ہونے لگے مگر آپ نے نہایت اطمینان سے اسے سمجھانا شروع کیا۔ اس میں قبولیت حق کی صلاحیت نہ تھی۔ وہ اپنی بات پر اڑا رہا مگر حاضرین کی اکثریت پر آپ کے وعظ کا اچھا اثر پڑا اور اسی محفل میں چند لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر ان دونوں برائیوں سے توبہ کی۔

اس قصبہ میں موعظۂ حسنہ کا سلسلہ چند روز جاری رہا۔ لوگ آ آ کر تائب ہوتے رہے۔ آپ کے قیام کی خبر گرد و نواح کے دیہات میں پھیل گئی۔ وہاں کے نیک سرشت لوگ بھی آئے اور مشرکانہ رسوم سے تائب ہوئے۔ وہاں چند گنتی کے چند ایک پڑھے لکھے تھے ان میں اپنی تصانیف تقسیم فرمائیں۔ اور فرمایا کہ ان کا وعظ محلہ محلہ اور گھر گھر ہو۔ یہاں آپ نے حافظ مستقیم کو اپنا خلیفہ مقرر کرکے فتح آباد کا عزم کیا۔ حافظ مستقیم بیگھڑ میں امام مسجد تھے اور قرآن بھی پڑھایا کرتے تھے۔

فتح آباد میں ایھورامی تمن دار نے آپ کی مخالفت کی۔ لوگوں نے آپ کے لیے طعام کا انتظام کیا مگر آپ نے فرمایا کہ جس آبادی کے مسلمان رسم دختر کشی

سے تائب نہیں ہوتے میں وہاں لوگوں کی دعوت قبول نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ وہاں سے چل پڑے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کے روانہ ہوتے ہی لدھو پر ہیضہ کا حملہ ہوا۔ اس نے اسے قدرت کا ہاتھ سمجھا اور اسے یقین ہو گیا کہ حضرت شاہ محمد رمضانؒ کو ناراض کرنے کی پاداش میں قدرت نے یہ سزا دی ہے۔ ابھی آپ چند میل ہی گئے تھے کہ لدھو ز من دار کے آدمیوں نے آ کر اس کی طرف سے معافی مانگی۔ آپ واپس تشریف لے گئے۔ مریض کو دوا دی اور اس کے لیے دعا مانگی۔ آپ کی موجودگی ہی میں اس قصبہ کے تقریباً تمام مسلمان دختر کشی سے تائب ہو گئے اور باہمی رشتہ داریوں پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ یہاں قاضی غلام محمد کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے آپ علمائے ستر کے ساتھ مواضع عیالکی، اہروال، بہرنہ وغیرہ کا دورہ کر کے عازم وطن ہوئے۔

اس دورے میں "آپ کے وعظ اور تعلیم و تلقین کی برکتوں سے ....
دختر کشی کی ظالمانہ رسم بند ہو گئی۔ اسلام کے اصول کے موافق آپس کی رشتہ داریاں عام طور پر ہونے لگیں۔ چوروں نے چوری چھوڑ دی، رہزنوں نے قزاقی سے توبہ کی۔ بے نمازی اور کاہلان دین جہاد نفس سے غازی ہو گئے۔ گھر گھر میں ہر ایک مرد و عورت چھوٹے بڑے کی زبان پر نماز روزے

سے مسائل اور ذکر و فکر کا چرچا تھا۔

اس سفر میں حافظ رحمت خاں ساکن موسیٰ کھیڑہ آپ کے ہمراہ تھے۔ انھوں نے ایک سی حرفی میں حضرت ہادی ہریانہ رح کے فضائل اور کام کا نقشہ کھینچا ہے۔ حروف تہجی کی ترتیب میں کل اٹھائیس بند ہیں۔ جن میں سے پانچ یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ ضلع حصار کی تحصیل سرسہ کے بڑے حصے کی زبان پنجابی ہے :-

جہان اندر روشنائی (ج) خالق بھیجے بہت دہائی
تو ہیں نے شرع دی چال سکھائی کھُلی خلقت رستہ پائی

کامل کیتا دین ایمان

حضرت ہادی شاہ رمضان رح

عین عجائب تیرا سایا (ع) جان نہ دلی وعظ سنایا
ہک فسردگی دوڑا آیا ترُت فرت ایماں لے آیا

ہور میں کی کراں بیان

حضرت ہادی شاہ رمضان رح

لے ایضاً ص ۶۴

غرور تکبر والے (خ) پیندے جیہڑے خمر پیالے
دیکھ تینوں ہوئے خوشحالے تائب ہو چھڈن بدچالے

تابع تیرے جن دانسان
حضرت ہادی شاہ رمضانؒ

فرخ نگر نوں اندر آیا (د) یک عورت نوں جن وسایا
کسی عامل دے قید نہ آیا سُن کے تیرا نام نسایا

کیہا تیرا امن حیوان
حضرت ہادی شاہ رمضانؒ

قصہ ست دھیاں والا (ق) قتل اولاد دہاندا چالا
ماردھیاں کردے مُنہ کالا ادھتے گیوں توں کڈھو کسالا

دیکھ تینوں ہوئے حیران
حضرت ہادی شاہ رمضانؒ

بند (ع) میں اس فرنگی کا حوالہ ہے جو آپ کے درویشوں کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا۔ بند (غ) میں لوگوں کی کثرت شراب نوشی کی طرف اشارہ ہے۔ آج بھی ہریانہ کے ہندو راجپوتوں کے کم نہ بیش ہر گھر میں

شراب کی بھٹی ہے۔ بند (ت) کے واقعات یہ ہیں کہ فرخ نگر اس وقت ؒ رالمریاست تھا اور اب ضلع گوڑگانواں میں ہے۔ یہاں ایک خوشحال اور معزز بلوچ گھرانے کی عورت ہمیشہ ننگی رہتی۔ کہا جاتا کہ اس پر جن کا سایہ ہو گیا ہے۔ دور دراز سے عامل بلائے گئے مگر "جن" کو کوئی نہ اتار سکا۔ جب آپ اس قصبہ میں تشریف لے گئے تو اس عورت کے لواحقین نے اپنی مصیبت اور بدنامی کی داستان سنائی۔ آپ نے فرمایا "ہم عمل سے جن کا علاج نہیں کرتے"۔ آپ نے دعا فرمائی اور وہ عورت اچھی ہو گئی۔ بند (ق) میں سرحد جھنڈا علاقہ پٹیالہ کا وہ واقعہ بیان ہوا ہے جس کے حافظ رحمت خاں علیؒ شاہد تھے مدد اج سے مجبور ہو کر ایک بدنصیب باپ اپنی چھ لڑکیاں دفن کر چکا تھا۔ ساتویں کو دفن کرنے لے جا رہا تھا کہ راستہ میں حضرت شاہ محمد رمضانؒ وعظ فرما رہے تھے۔ وعظ کے بعد لوگ آ آ کر آپ کے ہاتھ پر رسم دختر کشی سے تائب ہو رہے تھے کہ یہ شخص بھی روتا ہوا آیا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ اسی وقت قبرستان تشریف لے گئے۔ قبر کھدوائی تو لڑکی ایک برتن میں زندہ پائی گئی۔ اس لڑکی کو اس کا باپ اپنے گھر لے گیا۔

ہ نقیب الاولیاء ج ۲ دفتر ۲ ص ۷۶

حکیمانہ تبلیغ کے اثرات

بچپن میں آپ کا قیام مسلمان راجپوتوں کے مشہور قصبہ کاہنور میں اکثر رہا۔ یہ قصبہ رہتک سے گیارہ میل اور آپ کے وطن جھجر سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں رہ کر آپ نے ان قبائل کی زندگی کا ہر پہلو دیکھا۔ ان کی قومی خصوصیات اور نفسیات سے واقفیت حاصل کی اور ان کی زبان پر بھی قدرت حاصل کر لی۔ چنانچہ آئندہ ہریانہ میں آپ اس زبان میں وعظ و تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس زبان کا کرخت لہجہ عوام کی فطرت سے ہم آہنگ تھا اس لیے تبلیغ بھی موثر ثابت ہوئی۔

قریہ قریہ میں جا کر اسلام پہنچانے کے علاوہ آپ نے اس پیغام کی بیسیوں کتابوں میں تشریح کی۔ ان تصانیف میں سے بیشتر کی زبان ہریانی ہے۔ اس طرح آپ نے اس بولی کو اس قابل بنا دیا کہ اس میں طریقت اور شریعت کے مسائل بیان کرنے کی صلاحیت ہو گئی۔ ساتھ ہی اس اصلاحی تحریک کے لیے مذہبی ادب کا ذخیرہ پیدا کر کے اسے دیرپا بنا دیا۔ مگر جن لوگوں کے لیے یہ کتابیں لکھی گئیں وہ باستثنائے چند حرف شناسی سے بھی نابلد تھے۔ اس کے لیے آپ نے شعر کو وسیلہ اظہار بنایا جس کا اثر یہ ہوا کہ اس تحریک کے

کارکنوں اور امام مساجد کے ذریعے یہ اشعار عوام تک پہنچ گئے۔ شعر کی اثر آفرینی مسلمہ ہے اور وہ یاد بھی رہ جاتا ہے۔ اس طرح احکام قرآنی، احادیث، سیرت نبوی اور تمام ضروری مسائل فقہ آپ کی حیات ہی میں ہر کہ دمہ کی زبان پر جاری ہو گئے۔ ڈیڑھ صدی بعد اب بھی ہزاروں ایسے ناشناس ایسے ہیں جنھیں علما کی صحبت نصیب نہیں ہوئی مگر ان اشعار کی بدولت ضروری مسائل فقہ سے واقف ہیں۔

آپ نے لاکھوں شعر کہے۔ شعر گوئی بالعموم انسان کو میدان عمل کے لیے ناکارہ بنا ڈالتی ہے۔ مگر اس شعر گوئی نے آپ کے قوائے عمل کو شل کیا اور نہ ہی دوریدامنی نے آپ کو حجرہ نشین بنایا۔ بلکہ آپ کی تمام زندگی ایک حرکت مسلسل سے عبارت رہی۔ سال کے گیارہ مہینے تعلیم و تلقین کے سلسلہ میں گھر سے باہر رہتے۔ جس گاؤں میں تشریف لے جاتے ہندو مسلمان سب زیارت کے لیے آتے۔ اگر وہاں مسجد نہ ہوتی تو بستی سے باہر کسی درخت کے نیچے بیٹھ جاتے۔ ہندو جاٹ اس جگہ کو اتنا مقدس سمجھنے لگتے کہ وہاں بعد میں ایک چبوترہ بنا ڈالتے حالانکہ ہندوؤں کے نزدیک ہر مسلمان نجس ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض دیہات میں ۱۹۴۷ء تک "شاہ رحمان کے چبوترے"

موجود تھے۔ ممکن ہے اب بھی ہوں۔

طب میں بھی آپ کو دسترس تھی۔ خدا نے آپ کے ہاتھ میں شفا بھی دی تھی۔ جس گاؤں میں جاتے وہاں مریضوں کا معائنہ کرتے۔ اگر پاس دوا ہوتی تو وہ مفت دیتے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ اس قسم کی ہمدردی ہمیشہ اور ہر جگہ تبلیغی مساعی میں ممد رہی ہے۔ آپ کے بعض نسخے اب بھی آپ کا خاندان اور معتقدین استعمال کرتے ہیں۔ تین نسخے تو ہمارے گھر میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور ان کا اثر بھی خاطر خواہ ہوتا ہے:

(۱) مفرح خون: ایک ایک گاجر، مولی، شلجم اور ادرک دھو کر ہاون دستہ میں کوٹ لیا جائے۔ کپڑے میں ڈال کر ان کا عرق نکال لیا جائے اور اس عرق میں ایک تولہ شہد ملا کر دن کے کسی وقت بھی پی لیا جائے۔

(۲) ادرک کا حلوہ: بلغمی کھانسی کے لیے: دو تولہ دو گھی میں بھون کر اس میں مناسب میٹھا اور ایک تولہ پسی ہوئی ادرک ملا کر کھایا جائے۔

(۳) خونی پیچش کے لیے: سات بادام، ۳ ماشہ انجبار اور ۲ ماشہ چار دوں مغز کو رات کو بھگو کر صبح یکجا نہایت باریک پیس لیا جائے۔ تین تین ماشے گاؤزبان، بہی دانہ اور ریشہ خطمی رات کو بھگو کر صبح یکجا ہاتھ سے مل کر کپڑے

میں ڈال کر باریک چھلنی میں اعرق نکال لیا جائے۔ پھر پہلی پسی ہوئی چیزوں میں یہ عرق اور حسب پسند میٹھا ملا لیا جائے۔ اس میں اتنا زیادہ سے زیادہ عام پانی اور گرمیوں میں ٹھنڈا پانی ملا لیا جائے جتنا مریض پی سکے اور اسے صبح کے وقت چھ ماشہ اسپغول کی بھوسی کے ساتھ پی لیا جائے۔ بالکل یہی نسخہ سہ پہر کے وقت استعمال کیا جائے۔ پیچش دور ہونے کے دو تین روز بعد تک یہ نسخہ استعمال کیا جائے۔ پرانی سے پرانی پیچش جاتی رہتی ہے۔ اگر پیچش خونی نہ ہو تو اجبار نہ استعمال کریں۔

حضرت شاہ محمد رمضانؒ ایک مرتبہ حضرت جمال ہانسویؒ کی خانقاہ کے میدان میں وعظ فرما رہے تھے۔ تین ہزار ہریانوی فوجی جوان بھی وعظ سننے آئے۔ یہ جوان کرنل الیگزانڈر کے ماتحت تھے۔ دوران وعظ بارش شروع ہو گئی۔ کسی نے چھتری کھولی تو کسی نے چادر تانی۔ مگر اپنی جگہ سے کوئی نہ ہلا۔ اختتام وعظ پر آپ نے اس میدان میں ایک مسقف عمارت کی تحریک کی۔ کرنل الیگزانڈر کو اس کا علم ہوا تو اس نے اس تجویز کو پسند کیا اور چندہ جمع کر کے آپ کی خدمت میں تین ہزار روپے بھیج دیے۔ آپ کے برادر اصغر حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ کی نگرانی میں ایک

عالیشان عمارت کھڑی ہوگئی جس میں حجرے اور وسیع دالان بھی ہیں۔

دوران سفر میں جہاں مسجد نہ ہوتی وہاں مسجد ضرور بنوا دیتے۔ تھم میں جامع مسجد تو نہایت قدیم تھی۔ اس کی ضروری مرمت اور جزوی استرکاری آپ کے اہتمام میں ہوئی۔ رہتک میں بیوپاریوں کی خوبصورت مسجد آپ ہی کی ترغیب و تحریض سے تیار ہوئی۔ اس کی بنیاد بھی آپ ہی کے دست مبارک سے رکھوائی گئی۔ انہی بیوپاریوں نے پاکستان میں آکر ملتان کی گڑمنڈی میں جو عالیشان مسجد تعمیر کرائی ہے۔ اس سے متعلق مدرسہ کا نام مدرسہ رضانیہ رکھا ہے۔ رہتک کی عیدگاہ بھی آپ ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ ایک موقعہ پر آپ نے یہاں خود ٹوکری بھر بھر کر مٹی ڈھوئی جس سے اور لوگوں کو بھی ترغیب ہوئی۔ موضع مڑودھی ضلع رہتک کی مسجد عین قحط سالی کے دنوں میں نمبرداروں کی مخالفت کے باوجود تعمیر کرائی۔ یہ قحط ساٹھا کال (سمت ۱۸۶۰ = ۱۸۰۳ء) کہلاتا ہے۔ موضع بلیالی میں ہزاروں گھروں کی آبادی تھی اور صرف ایک مسجد تھی جس میں بوریا تھا نہ مصلی۔ آپ کی مساعی سے وہاں آٹھ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ بلیالی کو دیکھ کر گرد و نواح کے دیہات نے پیروی کی۔

مسلم راجپوتوں میں تعمیر مساجد کا شوق پیدا ہوا تو وہ رفتہ رفتہ اسلام سے قریب تر ہوتے گئے۔ یہ مساجد جہاں عبادت گاہوں کا کام دیتی تھیں وہاں ہر گاؤں میں ہر مسجد ایک مرکز مخصوص کی حیثیت رکھتی۔ اس سے پہلے ان بیرائے نام مسلمانوں کے جذبۂ عبودیت کی تسکین کسی ٹھاکر دوارے یا دیہی کے مندر میں ہوتی تھی۔ ان کا جداگانہ معبد تھا نہ مرکز۔ ان مساجد کو مرکز تحریک بنا کر آپ نے اصل کام شروع کیا۔ مساجد کی تعمیر سے مسلم راجپوتوں کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ ہم اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اس احساس کے پیدا کرنے کے بعد آپ نے حکیمانہ طریق سے ان کی خوئے غارت گری اور ایک ایک کر کے ہر رسم شرک ختم کر دی۔

بری رسوم میں سب سے بری دختر کشی تھی۔ حضرت شاہ محمد رمضانؒ نے سب سے زیادہ توجہ اس طرف دی۔ اس انسانیت سوز رسم کا خاتمہ تحریک کے ابتدائی پانچ چھ سال میں ہو گیا۔ یعنی مسلم عہد حکومت ہی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی عہد بڑی بدامنی کا دور تھا۔ اس زمانہ میں بھی مسلم راجپوتوں میں دختر کشی کی کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی۔ البتہ غیر راجپوتوں میں دختر کشی کی چند مثالیں مل جاتی ہیں۔ اب سے سوا صدی پہلے

کی ایک کنجڑی مسماۃ لاڈو کا ایک واقعہ اسی کی زبانی ملاحظہ ہو:

"میں پلول کی بہو تھی۔ بیٹی جھجر کی.... (میرے پہلی) بیٹی ہوئی تو
.....رات سے فجر ہوئی، فجر سے رات۔ خصم گھر نہیں آیا۔ (جب
وہ آیا تو میں) اس کے سر ہو گئی کہ.... بتا تو کہاں تھا.... میں نے
چھوری جو اٹھا کر دکھائی تو کہنے لگا ارجی اسے نہ ماریو.... اب
(میں نے) کیا کیا۔ ٹوکرے میں بستو (نوزائیدہ) کو ڈال کے چلی۔
خصم بچارا پیچھے پیچھے۔ ارجی ارجی اس کو نہ مارنہ۔ (میں نے)
کاڈھ جوتی (اس کے) تین چار ماری اور جلدی سے جا ہوج
(حوض) ما پانی بھرا تھا اس ما (میں) (لڑکی کو) ڈال اوپر ٹوکرا
رکھ دیا۔ وہ بچارہ مار بھی کھا کر نہیں مانا۔ آ کے کہنے لگا ہم
تو تھانے ما کہ آئے ہے۔ اب تمہیں پکڑنے آویں ہاں۔ جب ڈری۔
اٹھا اپنا ٹوکرا گھر آ گئی۔ اس نے چھوکری نکال۔ پا ہر الٹی ڈالی۔
جب اس کے پیٹ کا پانی نکل گیا، جب آیا اوسا۔ اب پھر (دوسری)
بیٹی ہوئی تو میوا تنوں سے پوچھا تم چھوری کو کیا دو کہ مر جاوے۔
بولیں ہم تو آکھ کا دودھ لے کے پلا دیں۔ مری پاوے میں

نے بھی آکھ کا دودھ پلا دیا۔ وہ چھوکری مرگئی ؎

اس زمانہ میں چیچک کا مرض عام تھا۔ اس موذی مرض کا علاج حکیموں کے پاس تھا نہ ویدوں کے۔ ایک دفعہ بیماری شروع ہو جاتی تو علاقہ کے ہزاروں لوگ اس کا شکار ہو جاتے۔ کوئی گھر نہ بچتا جس میں دو ایک اموات نہ ہو جاتیں۔ جو بچ رہتے وہ بچپن ہی میں بدشکل ہو جاتے۔ یہ عام خیال تھا کہ سیتلا دیوی ناراض ہو کر یہ بلا عوام پر چھوڑ دیتی ہے۔ چیچک کو سیتلا یا ماتا کہتے ہیں۔ ہریانہ میں جگہ جگہ سیتلا دیوی کے مندر بنے ہوئے تھے جہاں سیتلا دیوی کا کریہہ المنظر اور ہیبت ناک بت رکھا ہوتا۔ اس بت کی بڑے اہتمام سے پوجا کی جاتی۔ اٹھارویں صدی کے مسلم راجپوت بھی اپنی قدیم عقیدت کے ساتھ اس کی پوجا کرتے اور گلگلے اور پوڑے پکا کر نذر گذارتے۔ رہتک، بدھلان، جھجر، رندھانہ میں اب تک سیتلا دیوی کے مندروں پر میلے لگتے ہیں۔ شاہ محمد رمضان ؒ نے اس مشرکانہ رسم اور جاہلانہ خیال کو مسلمانوں میں ختم کرنے کے لیے میٹھے روزے کا اجرا کیا۔ اس روز کنواری لڑکیاں بڑی بڑی میٹھی روغنی روٹیاں پکاتیں اور عورتیں

؎ عائشہ بیگم مرحومہ: کتاب حالات خواتین قلمی

ان روٹیوں سے روزہ افطار کریں۔ اس طرح آپ نے خیالی سیلا دیوی کی ذات سے مسلم راجپوتوں کی عقیدت کا رُخ بدل دیا۔

ہندوؤں کے مختلف الخیال فرقوں میں صرف ایک عقیدہ مشترک ہے اور وہ ہے احترام گاؤ۔ اس زمانہ کے نومسلم راجپوت کے نزدیک انسانی خون کی کوئی قدر نہ تھی حتیٰ کہ وہ اپنی بیٹیوں کو مار ڈالنا اپنے اوپر فرض کیے ہوئے تھے مگر گائے کو ذبح کرنا ان کی شریعت میں بھی گناہ تھا۔ ان کے دماغ سے ہر جاہلانہ خیال نکالنے کے لیے ضروری تھا کہ گائے کے گوشت سے ان کی کراہت دور کی جائے۔ اس کے لیے آپ نے بی بی مریم کے روزے کا اجرا کیا۔ یہ روزہ اب تک بعض لوگ ۲۷ رجب کو رکھتے ہیں۔ عوام اس رسم کو روٹ بوٹ کہتے ہیں۔ اس روز گائے کے گوشت کے ایک ایک پاؤ کے بوٹ بھونے جاتے ہیں اور انھیں روغنی روٹیوں پر رکھ کر عزیز و اقارب میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ہادی ہریانہ رح کی چلائی ہوئی بعض رسوم مثلاً میٹھا روزہ، بی بی مریم کا روزہ، روٹ بوٹ ایک صدی تک اسی اہتمام اور عقیدت سے منائی جاتی رہیں جس سے کہ آج بعض لوگ کونڈے کرتے ہیں۔ امتداد زمانہ سے

جیسا کہ چاہیے تھا یہ رسوم تو ختم ہو گئیں مگر انھوں نے لاکھوں انسانوں کو مشرکانہ رسوم سے نجات دلا دی۔

جہالت اور توہم پرستی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہریانہ میں جب کوئی بیمار ہو جاتا تو سمجھ لیا جاتا کہ اسے نظر لگ گئی ہے یا اس پر کسی دشمن نے جادو کر دیا ہے یا اس پر کسی جن یا بد روح کا اثر ہے۔ اپنے اپنے زمانہ میں زین خاں پٹھان، لونا چماری اور ماموں الٰہ بخش نے ٹونے ٹوٹکے میں بڑی شہرت پائی تھی۔ ان اصلی یا فرضی شخصیتوں کے گرد افسانوں کا ایک طومار لگ گیا تھا۔ علاقہ کی ایک عورت کو بھی یہ جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ وہ منہ سے لفظ "جن" ادا کر دے۔ کبھی جن کا ذکر آ جاتا تو ادھر ادھر دیکھ کر بامر مجبوری "ماموں جی" کہا جاتا تاکہ جن ناراض نہ ہو جائے۔ جب کسی شخص پر جادو یا جن کا اثر فرض کر لیا جاتا تو ان تینوں میں سے کسی ایک مفروضہ خبیث روح سے استمداد طلب کی جاتی۔ منتیں مانی جاتیں۔ اس کا علاج عملیات سے کیا جاتا۔ یہ خصوصیت علاقہ ہریانہ کی نہ تھی بلکہ تمام ہندوستان اس قسم کے جہل میں مبتلا تھا اور ہر جگہ "عامل" کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ حضرت ہادی ہریانہ نے "جن اتارنے" کے لیے

کبھی عملیات کا سہارا نہیں لیا۔ آپ نے اس بارے میں تقریر و تحریر کے ذریعے تعلیمات اسلامی کی ایسے ذہن نشین پیرایہ میں اشاعت کی کہ زین خان، لوتا چاری اور ماموں الہ بخش کا افسون تار تار ہو گیا۔

نومسلموں اور ان کے اجداد کو ہندوؤں سے تمیز کرنا مشکل تھا۔ داڑھی ہندو بھی رکھ لیا کرتے تھے۔ آپ نے یہ نہایت ہی مفید کام کیا کہ مسلم راجپوتوں اور دوسرے نومسلموں کا لباس بدلوا دیا۔ مردوں نے دھوتی (جسے ہریانی میں لانگھڑ کہا کرتے تھے) چھوڑ کر تہبند اختیار کیا اور خواتین نے گھاگرا ترک کر کے پاجامہ۔ ان اور ایسی ہی متعدد تبدیلیوں کا یہ اثر ہوا کہ معاشرتی لحاظ سے مسلم راجپوت اور دوسرے نومسلم اپنی قدیم ہندو برادریوں سے قطعی مختلف ہو گئے۔

اب ہم آپ کی تصنیف عقائد عظیم سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے اُس عہد کی بعض بری رسوم کی نشان دہی ہوتی ہے:

"سوال: بندگی کسے کہتے ہیں؟

جواب: بندگی اُسے کہتے ہیں کہ امر خدا کا بجا لے دیا، یا موافق مسنون کے ادا کرے۔" ...... "طاغوت اسے کہتے ہیں جیسے

کوئی ایک زبردست کرڈتا ہوا پوجے۔ جیسے بھوت یا پریت کا

اوتار اتارے۔ جیسے شیخ سدو کا بھوگی یا ڈلی ہونے کے ڈر

سے بکرا یا بکری۔ یا سرور سلطان کے ڈر سے کہ کوڑھی کر دیگا۔

پرائے کو سجدہ کرے یا کوئی کو پوجے یا بھڑ رگاتے کالی یا گوگا

کے ڈر سے کہ سانپ سے کٹوا دے گا، رت جگا کرے۔ سیتلا

کے ڈر سے خوشامد کا مارا بت خانہ میں جا کر بت پوجنے لگے، تو

کفر میں پڑا۔" اور دوسری وہ چیز ہوتی ہے کہ اللہ تعالے نے

ایک چیز کو عجائب یا خوبصورت پیدا کیا اور کوئی اُسے پوجنے لگ

جاوے۔ جیسے اللہ تعالے نے گنگا کا اچھا پانی پیدا کیا اور

کوئی اسے پوجنے لگ جاوے۔ یا پتھر میں آگ نکلنے لگے کوئی

دیبی نام رکھ کر کوئی حاجت مانگنے لگے یا سجدہ کرے۔ یا کسی

بزرگ کے مزار کا جاہ وجلال دیکھ کر سجدہ کرنے لگے۔۔۔ جیسے

حویلی بنائے، اس میں ایک طاق پیر کا ٹھہرا دیا۔ یا ایک بت غلط

بنا کر کسی بزرگ کا نام لے کر زمین کو لیپ دیا یا تعزیہ بنا کر اس

کی طرف معاملہ کربلا کا کرنے لگے۔ یا بیاہ میں چاک پوجنے یا

کاغذ پہ کعبۃ اللہ کی صورت لکھ کر اس کی طرف سجدہ کرنے لگے
یا طواف کرنے لگے۔ یہ سب شرک ہے۔۵

زبان کو چھوڑیے۔ یہ آپ کے لیے نہیں ہے بلکہ اُس عہد کے ہریانوی مسلمانوں کے لیے ہے۔ درج بالا اقتباس کوئی علمی بحث نہیں بلکہ یہ تمام مشرکانہ رسوم و عقائد اس وقت کے مسلمانوں کے تھے۔ یہ برائیاں صرف کتابوں میں لکھنے سے دور نہیں ہوگئیں اور نہ دور ہو سکتی تھیں۔ کسی عظیم مصلح کی شخصیت ہی عقائد و اعمال میں انقلاب پیدا کیا کرتی ہے اور ہریانہ میں یہ کام خدا نے حضرت شاہ محمد رمضانؒ سے لیا۔ آپ کا کام صرف عقائد کی تبدیلی تک نہ تھا۔ بلکہ آپ نے دختر کشی اور سیتلا دیوی پرستی جیسے گھناؤنے افعال سے لاکھوں انسانوں کو بچایا۔ لوگوں کا لباس بدلوا کر تمدن کا رخ موڑ دیا۔ جنگجو قبائل کی خوئے غارت گری کو شجاعت سے بدل ڈالا اور انھیں کاشتکاری اور ملکی دفاعی ملازمتوں کی طرف رجوع کرکے ان کی اقتصادیات کو یکسر بدل دیا۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ تاثر نہ لیا جائے کہ ہریانہ کے

---

۵ عقائد عظیم فخر المطابع ایڈیشن صفحات ۳۴ و ۳۵

تمام مسلم راجپوت معصیت میں گرفتار تھے۔ اس زمانہ میں بھی ہر قسم کی صلاحیتوں سے بھرپور ان قبائل میں ایسے ایسے گھرانے بھی تھے جو پر امن اسلامی زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی مختصر سے گروہ صالحین نے حضرت ہادی ہریانہ رح کی اصلاحی تحریک کی تائید میں پہل کی اور اسی پاکباز گروہ کی اعانت سے یہ تحریک پروان چڑھ سکی۔

ہم نے اس باب میں مسلم راجپوتوں کا صرف اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ ہریانہ کی آبادی کا جزو اعظم تھے۔ وہاں اور بھی بیسیوں قومیں بستی تھیں جن میں سے بعض میں راجپوتوں سے بھی زیادہ برائیاں تھیں ان کی اصلاح احوال بھی تحریک شہیدی رح کا نتیجہ ہے۔ ہریانہ کے اکثر دیہات ایسے تھے جہاں صرف غیر مسلم ہی بستے تھے لیکن ہر گاؤں میں کم از کم ایک ایک گھر مسلمان ڈوم، پیشہ وروں کا تھا ـــــــ ان دو مفید پیشوں پر مسلمانوں کی اجارہ داری تھی۔ یہ صرف تحریک ہمی رح کی وجہ سے اتنے راسخ العقیدہ مسلمان ہو گئے کہ ان پر قیام پاکستان تک ہندو توہمات اور رسوم کا قطعی اثر نہیں ہوا اور اخیر تک یہ دو اقوام باقاعدگی سے نماز ادا کرتے ہیں اوروں کے لیے ایک اچھا نمونہ رہیں۔

۱۰

محاکمہ شاہ عبدالعزیز دہلوی ؒ

اگر کسی کی مخالفت نہیں ہوئی تو سمجھ لیا جائے کہ اس نے معاشرہ میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ حکومت نے ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی ؒ کے والد کی جاگیر ضبط کر لی۔ مسلمانوں میں آپ کی تحریک کی راہ میں نمبردار اور چودھری قسم کا طبقہ رکاوٹ بنا کیونکہ ہر اصلاحی اور مفید عوام تحریک کی زد میں اس طبقہ کا اقتدار ضرور آتا ہے۔ ایسی مخالفتوں سے ایک مصلح کا جوہر نکھرتا ہے۔ مگر جو لوگ اصلاح کرنے کے مدعی ہوں اور وہ مخالفت پر اتر آئیں تو تحریک کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے۔ البتہ ایسی مخالفت کا ایک روشن پہلو بھی ہے۔ لوگ زیادہ چھان پھٹک کر تحریک کے مقاصد کو قبول کرتے ہیں جس سے وہ دیرپا ہو جاتی ہے۔ ایسی ایک مخالفت کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

شاہ محمد رمضانؒ کے حلقۂ درویشاں میں ایک ممتاز بزرگ مولوی نور محمد صاحب تھے۔ وطن تو ان کا ضلع حصار میں موضع رانیہ تھا مگر انھوں نے موضع بگھیڑ کی سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ پھر ہم میں ہادی ہریانہؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ان کے سپرد درویشوں کو پانی پلانے کی خدمت تھی۔ رام پور کے فارغ التحصیل تھے۔ روہیلہ اساتذہ کے اثر سے حرارت ایمانی بہت پیدا ہو گئی تھی۔ جوش عقیدت کا یہ حال تھا کہ اکثر فرمایا کرتے کہ جس پر حضرت شاہ صاحب مہمیؒ کی بہیلی کی گرد اڑ کر پڑ جائے وہ جنتی ہو جاتا ہے اس غلو کا ردعمل تھا یا طبائع کا اختلاف کہ یہی بزرگ دم آخریں تک حضرت شاہ محمد رمضانؒ کو ان کی شہادت کے بعد بھی اور ان کو مسلمان ماننے والوں کو بھی علی الاعلان کافر کہتے رہے۔

خان بہادر پیرزادہ مظفر احمد فضلی (۱۸۵۷ء - ۱۹۳۰ء) ایک معروف شہرت کے کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ علامہ اقبالؒ کی مثنوی اسرار خودی شائع ہوئی جس میں حافظ شیرازی پر بڑی ہی جرأت مندانہ تنقید تھی۔ اس پر طبقہ صوفیا کی طرف سے اعتراضات ہوئے۔ نقیب الصوفیاین کر جناب فضلی نے کھل کر ان اشعار کی مخالفت کی اور فارسی میں مثنوی راز

بیخودی کو کراسے شائع کرایا۔ اس تمام ہنگامہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علامہ نے اسرار خودی کے دوسرے ایڈیشن میں حافظ شیرازی سے متعلق اشعار حذف کر دیے۔ یہی فضلی صاحب اب سے ستر سال پہلے مولوی نور محمد صاحب کے وطن رانیہ میں تحصیلدار تھے۔ ڈپٹی کلکٹر بعد میں ہوئے۔ وہاں انھوں نے مولوی صاحب موصوف کے حقیقی نواسے پیر احمد شاہ کی وساطت سے موصوف کے قلمی مسودات اور علما کے فتاوے دیکھے۔ حافظ محمد اسعید صاحب ساکن رانیہ بطور معاون مولوی صاحب موصوف کے ہر معرکہ میں شریک تھے۔ ان معمر بزرگ سے حالات دریافت کیے۔ ان ہنگاموں میں شریک ہونے والوں کی اولاد کے بیانات سنے اور کدید کرکمر کے قدیم تحریریں حاصل کیں اور پھر تقیب الاولیا جلد دوم کے دفتر دوم کو مرتب کیا۔ زیادہ تر یہی کتاب اس اختلاف کے بارے میں ہمارا ماخذ ہے۔ اس کے بیانات کی تصدیق ردفتہ الرضوان سے ہوتی ہے۔

مولوی نور محمد صاحب بگھیڑ ضلع حصار میں خدمت اسلام کر رہے تھے۔ یہی بزرگ تھے جو علاقہ کے سربرآوردہ حضرات کا ایک وفد لے

کرہانسی میں شاہ محمد رمضان کی خدمت میں گئے۔ جیسا کہ گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔ حضرت ہادی ہریانہ کے بگھیڑ تشریف لے گئے۔ وہاں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر رسم دختر کشی سے توبہ کی۔ یہاں آپ نے حافظ مستقیم کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور فتح آباد تشریف لے گئے۔ بقول صاحب تقیب الاولیاء یہی وجہ مخالفت تھی۔ مولوی نور محمد صاحب حلقہ درویشاں کے ایک ممتاز فرد تھے۔

اس واقعہ کے بعد مولوی صاحب کا حرم میں آنا جانا کم ہوتا گیا۔ انھوں نے بھی محفلوں میں دبی زبان سے تصوف کی مخالفت شروع کردی اور پھر کھلے بندوں مسئلہ وحدت وجود کو غیر اسلامی بتایا۔ اس متصوفانہ ماحول میں یہ بڑا ہی جرأت مندانہ اقدام تھا۔ مولوی صاحب ایک سچے موحد تھے۔ ایک روایت ہے کہ ان کے پاس ایک بھینس تھی جس کے دودھ پر ایک حد تک ان کی گذر اوقات تھی۔ وہ بیمار ہوگئی اور دودھ دینا بند کردیا۔ ان کی زوجہ نے کہا اب کیا بنے گا بھینس تو دودھ نہیں دیتی۔ یہ جوش ایمانی تھا کہ آپ نے فوراً اس بھینس کو ذبح کردیا اور زوجہ سے کہا "لے تیرے رازق کو تو میں نے ذبح کردیا ہے۔"

مخالفت چھڑ گئی تو وہ باتیں بھی ہونے لگیں جو اس کا اکثر حالات میں قدرتی نتیجہ ہیں یعنی مولوی صاحب موصوف نے حضرت شاہ محمد رمضانؒ سے باتیں منسوب کرنا شروع کر دیں جن سے شاہ محمد رمضان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایک روز گاؤں کے کچھ لوگ آپ سے حضرت ہادی ہریانہؒ کی خیریت پوچھنے آئے۔ انھوں نے کہا کہ وہ تو ہر شے کو خدا مانتے ہیں وہ کافر ہیں۔ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان کے سلام کا جواب دینا ناجائز ہے۔

اب عقیدت میں غلو کی جگہ مخالفت کی شدت نے لے لی۔ حضرت ہادی ہریانہؒ کی طرح آپ نے بھی نظم کو وسیلہ اظہار بنایا اور حضرت قمیؒ کی کتاب بلبل باغ نبی کے مقابلہ پر اپنی کتاب شہباز شریعت کے لیے اشعار کہنا شروع کیے۔ بلبل کے مقابلہ پر شہباز لا کر رکھنے سے شدت جذبات اور دم خم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ شہباز شریعت بعد میں کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ انداز یہ ہے ؎

شہباز رسالہ شریعت والا ڈھائے پیا وچ ڈھاران
سنو رنگیلی بلبل ہادی چڑیاں لکھ ہزاراں!

رنگیلی اور بختیل باغ نبی حضرت ہادی ہریانہؒ کی متعدد تصانیف میں سے دو ہیں۔ آپ کی ایک اور تصنیف آخر گت کے بارے میں کہا ؎

قر بلبل والے آخر گت ہک ہور کتاب بنائی
اس دچہ کلمے کفر دا اُس سنتو مومن بھائی

حضرت شاہ غلام جیلانی صدیقی الرہتکیؒ (۱۷۵۰ء - ۱۸۲۰ء) حضرت شاہ محمد رمضانؒ کے رشتہ دار اور معتقدین میں سے تھے۔ یہ بھی کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی تصنیف "اظہار اخفاء در واجب ممکن" کے متعلق کہا ؎

ہور رہتک دا لا غیر شرع جس نام غلام جیلانی
اوہ بلبل والا طالب اسدا سنیے ہکا ثانی
اظہار خفا در واجب ممکن نام رسالے اسدا
جس تے نازل قہر الٰہی کفروں حصہ تسدا

مولوی صاحب اس سے بھی کچھ آگے بڑھے اور نام لے لے کر مولانا فرید الدین عطارؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ اور محی الدین محمد ابن العربیؒ کو کافر لکھتے رہے۔ ایک حلقہ میں ان کا اس قدر اثر ہو گیا تھا کہ عورتیں اپنے تھاپی تھاپی جاتیں اور کہتی جاتیں "رومی کافر

جامی کافر، ہمی کافر ہیں"۔ حالانکہ انہیں عورتوں کو حضرت ہادی ہریانہ رحمتہ نے دختر کشی کی لعنت سے بچایا تھا۔

حضرت شاہ محمد رمضانؒ کثیر التصانیف بزرگ تھے اور بسیار گو شاعر بھی۔ آپ کے وعظ و تلقین کی محفل کم و بیش ہر روز لگا کرتی تھی۔ آپ نے نظم و نثر میں مولوی نور محمدؒ صاحب کا نام لے کر یا کنایتہً ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ نہ ہی ایسی کوئی زبانی روایت ہم تک پہنچی کہ آپ نے کسی تقریر میں مولوی صاحب موصوف کو بُرا کہا ہو۔ مگر آپ کو عقیدت کی نظروں سے دیکھنے والے مشتعل ہو گئے اور بات یہاں تک بڑھی کہ ریذیڈنٹ دہلی کے ایما پر آپ نے اپنے معتقدین کو پُرامن رہنے کی تلقین کی۔ آپ کے معتقدین میں وہ ہزاروں جوان بھی تھے جو کرنل الگزانڈر کے رسالہ مقیم ہانسی میں تھے۔ ان کو مشتعل پاکر کمانڈنگ آفیسر نے حاکم ضلع سے مشورہ کیا اور مسئلہ کے فیصلہ کا دار و مدار مناظرہ پر قرار پایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لیے خاموش ہوں کہ اس دقیق علمی مسئلہ وحدت وجود کا تعلق عوام سے نہیں۔ ہاں اگر خود مولوی صاحب تبادلہ خیال کرنا چاہیں تو میں ان کی تشفی کرنے پر آمادہ ہوں۔

علم و فضل کا اتنا تفاوت تھا کہ مولوی نور محمد صاحب بالمشافہ گفتگو کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہ پاتے تھے۔ انھوں نے مولوی احمد جی سکنہ شام سے رجوع کیا جو دہلی میں رہتے تھے اور مولوی کلیم اللہ صاحب سے بیعت تھے۔ انھوں نے اپنے بھتیجے مولوی محمد بخش ستانی کو مناظرہ کے لیے آمادہ کیا۔ مولوی محمد بخش ستانی ایک عالم باعمل تھے اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے حلقہ درس کے سند یافتہ تھے۔ معقول و منقول میں مہارت تامہ رکھنے کے علاوہ قوت گویائی میں ان کی شہرت دور دور تک تھی۔

فتح آباد موجودہ ضلع حصار کی ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ اس کی فصیل کے باہر ایک باغ میں اس مناظرہ کا انتظام ہوا۔ لفظ مناظرہ سے طبیعت میں کچھ تکدر پیدا ہوتا ہے۔ مگر ان پاک طینت بزرگوں کا یہ "مناظرہ" انوکھی شان کا تھا۔ باغ میں خلقت کا ایک اژدھام تھا مگر مناظرہ ایک خیمہ میں ہوا جس میں دو مناظرین اور ان کا ایک ایک ساتھی ہے۔ باقی لوگوں کو بحث نہیں سننے دی۔ مولوی نور محمد صاحب بھی اس خیمہ میں نہیں تھے۔

مناظرہ کی بنیاد وہ تین سوال قرار پائے جو مولوی محمد بخش صاحب

نے کیے:

(۱) وحدت وجود اور قائلان وحدت وجود کی نسبت آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

(۲) وجود مطلق کی بابت کیا کہہ سکتے ہیں؟

(۳) ابیات بلبل باغ نبی جن کو مولوی نور محمد صاحب کلمات کفر قرار دیتے ہیں۔ ان کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟

آپ نے جواب دیا:

(۱) وحدت وجود میرے عقائد میں روا ہے۔ میں قائلان وحدت وجود کو مسلمان مانتا ہوں۔

(۲) وجود مطلق کو میں حقیقت الحقائق جانتا ہوں۔

(۳) ابیات بلبل باغ نبی لفظاً و معناً شریعت کے مطابق ہیں۔

صاحب نقیب الاولیا لکھتے ہیں:

"یہ سن کر مولوی محمد بخش کا دریائے تقریر جوش میں آیا۔ ....

...... تقریر کیا تھی گویا ایک سیلاب الزام تھا جس نے جہان علوم کے کناروں کو گھیر لیا تھا۔ مولوی صاحب نے مناظرہ کے ورطہ ہلاک سے

پار ہونے کے واسطے قرآن و سنت، اجماع و قیاس کے تختوں سے کشتی بنائی عقلیات کا فلسفہ کے ابینٹ پتھروں سے اسے سنگین کیا۔ اصول و عقائد کا اس میں لنگر ڈالا۔ اپنے تبحر کو ملاح بنایا اور منطق کے بادبان سے اپنے بیان کے سمندر میں اس کو چلانا شروع کیا ...... مولوی محمد بخش کی تقریر شروع ہوتے ہی شاہ محمد رمضان اپنے سر پر رومال ڈال کر اپنی کرسی پر مراقب ہو بیٹھے تھے اور بہت غور سے مولوی محمد بخش کی تقریر سنتے تھے۔ جب مولوی صاحب اپنے دعوے کے اثبات میں براہین و حجت پیش کرکے اپنی تقریر ختم کرتے آپ مراقبہ سے سر اٹھا کر مختصر الفاظ میں ایسا جواب شافی دیتے کہ مولوی محمد بخش کے دلائل کی عمارت بنی بنائی بنیاد سے گر پڑتی۔ ...... ثقات سے روایت ہے کہ یہ مناظرہ اسی طور چالیس روز متواتر رہا۔ چاشت کے بعد سے شروع ہوتا اور ظہر کے وقت تک رہتا تھا۔[1]

اس افہام و تفہیم کو مناظرہ کہنا کچھ زیادتی ہے۔ اس موقع پر حضرت شاہ محمد رمضان اور مولوی محمد بخش صاحب شامی کی سیرتوں کے بعض ایسے پہلو نمایاں ہوئے جن کی مثالیں ہماری نظر سے تو گزری نہیں۔ ایک موقع

---

[1] تعقیب الاولیاء ج ۲ دفتر دوم ص ۹۷، ۹۸

پر حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک کتاب کا حوالہ درست نہیں دیا۔ مولوی صاحب اس غلطی کو نہ پکڑ سکے۔ حضرت بادی ہر پا شہ جسے گھر آکر دیکھا تو وہ حوالہ درست نہ تھا۔ اگلے روز جاتے ہی پہلے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اس اعتراف سہو کو مولوی نور محمد صاحب کے ایک ہم خیال نے اس طرح پیش کیا: "حافظ عبداللہ صاحب ساکن بیگکڑھ نے نقل کیا کہ مولوی محمد رمضان مرحوم ساکن مہم اور مولوی محمد بخش صاحب مرحوم ساکن سنام میں ایک مسئلے میں مناظرہ تھا۔ دوسرے دن مولوی محمد رمضان صاحب نے اس مجمع میں آتے ہی فرمایا کہ لوگو! جس مسئلہ میں کل ہم گفتگو کر رہے تھے رات تہجد کو اس میں اپنی خطا ظاہر ہو گئی۔"[۵۰]

نقیب الاولیا میں مولوی محمد بخش صاحب سنامی کے حقیقی نواسے مولوی عبدالعزیز ساکن بیگکڑھ اور دیگر معتبر لوگوں کی زبانی یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ چالیسویں روز بحث ختم ہوئی۔ مولوی محمد بخش صاحب سنامی نے خیمہ سے باہر نکل کر اعلان کیا کہ قائلان توحید وجودی مسلمان ہیں، ان کو کافر کہنا اور

۵۰۔ شیخ عبدالحق: تحفۃ الاخوان صفحہ ۱ مطبوعہ ۱۲۹۰ھ مطبع فاروقی دہلی۔ مرتب کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب مولانا نذیر حسین محدث رح کی تحریروں کو ترتیب دے کر تیار کی گئی ہے۔

اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے پرہیز کرنا، ان کے ساتھ مناکحت کا سلسلہ جاری کرنے سے منع کرنا اور ان کے ہاتھوں کا ذبیحہ نہ کھانا ہرگز جائز نہیں"۔

اس اعلان کا مولوی نور محمدؒ صاحب پر یہ اثر ہوا کہ انھوں نے مولوی محمد بخش صاحب سے کہا کہ آپ شاہ محمد رمضان سے مل گئے ہیں۔ جب حضرت ہادی ہریانہ رح کو اس ردعمل کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مولوی نور محمد صاحب خود آکر تسلی کرلیں مگر مولوی صاحب موصوف خود گفتگو پر آمادہ نہ ہوئے اور حافظ مصری صاحب کو اپنا ثالث مقرر کیا۔" حافظ مصری ایک بزرگ منش، منکسر المزاج باعلم درویش، نقشبندیہ مجددیہ خاندان میں بیعت تھے" اور نقشبندی بزرگ وحدت شہود کے قائل ہیں۔

حافظ صاحب نے اسی خیمہ میں بیٹھ کر طرفین کے دعوے پھر سے لکھ لیے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کی خدمت میں فیصلہ کی غرض سے بھیج دیئے۔ حضرت شاہ صاحب دہلوی رح نے حافظ مصری اور طرفین کو دہلی طلب کرکے اعتراضات اور ان کے جوابات سن کر تحریری فیصلہ صادر فرمایا۔ اس فیصلہ کی ایک نقل ہمارے پاس ہے۔ یہ فیصلہ لفظ بلفظ روضۃ الرضوان اور نقیب الاولیا جلد دوم دفتر دوم میں شائع

ہو چکا ہے۔ مشہور عالم مولوی مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی مرحوم نے اس فیصلہ کے عربی حصہ کی ایک رسالہ میں شرح کی تھی جو ۱۳۳۲ھ میں نقیب الاولیا جلد دوم دفتر دوم کے ساتھ تحفۂ مظفریہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ حافظ انوار اللہ مرحوم نے حیدرآباد دکن سے یہ رسالہ "فیصلہ شاہ صاحب دہلوی" کے نام سے شائع کیا تھا۔

یہ فیصلہ اس لیے تاریخی ہے کہ اس سے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے وحدت وجود کے بارے میں خیالات کا علم ہوتا ہے۔ اس باب میں ہم نے اب تک بادل ناخواستہ جو کچھ بھی لکھا ہے وہ محض اس لیے ہے کہ اس فیصلہ کا پس منظر سامنے آجائے۔ ہم یہ فیصلہ لفظ بلفظ یہاں نقل کرتے ہیں:

محاکمہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ذکریست درمیان آنکہ حاضر آمد شاہ محمد رمضان ابن شاہ عبدالعظیم ابن مولوی شاہ عبدالحکیم صدیقی مخبر باسم ونسب خود بر شریعت غرا وملت بیضا، نزد خادم الشرع عبدالعزیز بتاریخ بست وچہارم ذیقعدہ ۱۲۳۵ھ وحاضر آورد

میاں مولوی نور محمد ابن ملا ..... را کہ قوم جویا است۔ آں ہم مخبر باسم و نسب خود بود بتاریخ بست و نہم شہر مذکور۔ و دعاوی طرفین بدستخط حافظ مصری کہ حکم خود مقرر کردہ بودند قبل ازیں نشان دستخط ہر دو صاحبان بہ آں ثبت بود۔

قول محمد رمضان این ست کہ اہل اللہ در بارہ وحدت وجود برحق ہستند و نیز قائلین وحدتِ وجود۔ در عقیدہ من مظہر نیز وحدتِ وجود رواست در نفس الامر۔ فقط۔ و دعوی دیگر ابیات بلبل باغ نبی موافق ترجمہ من رواست۔ ہمیں معنی دارند کہ نوشتہ ام۔ و قول دیگر آنکہ وجود مطلق حقیقۃ الحقائق است۔ انتہیٰ۔

و قول نور محمد آنست کہ عقیدہ وحدتِ وجود در شریعت غرّا روا نیست و قائلین وحدت وجود در شریعت غیر مقبول ہستند۔ فقط۔ و دیگر آنکہ ابیات بلبل باغ نبی در شریعت کفر ہستند۔ فقط۔ و دیگر آنکہ یک وجود مطلق حقیقۃ الحقائق نیست بلکہ حقائق اشیاء مختلف ہستند۔ انتہیٰ۔ تم دعواہما۔

نیز ہر دو صاحبان بموافق دعاوی مسطورہ زبانی اقرار اظہار کردند
من بعد آں شاہ محمد رمضان عقیدہ خود موافق اہل سنت والجماعت
متکلمین اظہار کردہ و گفتہ کہ ہرچہ درقصیدہ امالی است بداں اعتقاد
دارم و مریداں خود را ہم ترجمہ او در ہندی نظم نمودہ آموختم و
تاکید نمودم کہ بداں عقیدہ باشند علی الدوام و نیز ہر طریق اولیائے
اللہ را معتقد و مطیعم و ہر حالت اوشاں را معترفم و امید وارم
کہ بہ برکات اوشاں علیہم الرحمۃ والغفران مستفید بفیضان الٰہی
شوم ـــــ پس ایں خادم الشرع را معلوم گشت کہ شاہ محمد رمضان
را عقیدہ جامع است کہ مشتمل بر عقائد سنت و جماعت متکلمین و
بر مصطلحات صوفیہ صافیہ محققین اہل اللہ ـــــ و میاں نور محمد
را عقیدہ بر شریعت ظاہر است و انکار بہ کمال اہل اللہ و حالات
و اصطلاحات آنہا نیز منکر و خمیدہ است کہ اوشاں بزرگواراں
از جادہ شریعت پا بیروں نہادہ ـ معاذ اللہ ـ نمیداند کہ اوشاں
متصف باوصاف شرائع گشتہ اند ـ لہٰذا میاں نور محمد را از
عقیدہ فاسدہ بیروں کردہ شد تا در تحت غضب الٰہی نیاید چرا

کہ بعض اولیاء اللہ بعض خدا و رسول اوست۔ بہ بیان کردن
مراتب اولیاء کہ حضرت سید المرسلین فرمودہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ
کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل و نیز العلماء وَرَثَۃُ الانبیاء
وَالَّذِیْنَ اوتوا العلم درجٰت و نیز بایات و احادیث دلالۃ
بر اثبات وحدت وجود بہ مذہب محققین صوفیہ و ہم خصوص اہل السنۃ
والجماعۃ جاھدوا فشاھدوا قالوا ان اللہ سبحانہٗ واحدٌ
بسیطٌ انبسط علٰے ہیاکل الموجودات بمعیتہ الذاتیۃ
فیمثالُ ذالک البحر وظھورہ فی صورۃ الامواج المتکثرۃ
مع انہ لیس ھنالک الا حقیقۃ البحر فایجاد الحق عبارۃ
عن ظھور الحقیقۃ المطلقۃ بالصورِ المختلفۃ المتعددۃ
المشاھدۃ قال اللہ تعالیٰ اللہ نور السمٰوات والارض
وھو الذی فی السمآءِ اِلٰہٌ وفی الاَرْضِ اِلٰہ وقال اللہ
تعالےٰ اَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وجہُ اللہِ وقال اللہ تعالےٰ
جُعْتُ فلم تطعِمنی ۔الحدیث۔

وقال فی جامع الاصول فی آخر حرف الصاد

فی الکتاب العاشر فی الصفات۔ من ابی ہریرۃ رضی
اللہ قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقرأ ہذہ الآیۃ ان اللہ یامُرُکم اَنْ تُؤدُّوا
الاَمَانَاتِ اِلیٰ اہلِہا اِلیٰ قولہٖ تعالیٰ ان اللہ کان
سمیعا بصیراً۔ ورایتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یضعُ ابہامہٗ اذنیہ والتی یلیہا علی عینہ۔
اخرجہ ابو داود

وفیہ اِشعارٌ بانہ السمیع بالاذن والبصیر بالعین
فی تجلّیہ الظلی خذ وات الممکنات وصفاتہم وافعالہم
عاریۃ وہو سبحانہ یسمع بسمعہ الذاتی ویبصر ببصرہ
الذاتی فی مرتبۃ الالوہیتہ انتہیٰ عن کتاب معیار
الموحدین۔

و دیگر آیات ہم فوائدہ شد چنانچہ

(۱) سَنُرِیہِمْ آیٰتِنَا فِی الآفَاقِ وَفِی اَنفُسِہِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ
لَہُمْ اَنَّہُ الحَقُّ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہُ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ

شہید۔

(۲) أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ

(۳) وما رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

(۴) وإِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

ودیگر احادیث لو انکم دلیتم بحبل علی الارض السفلی یهبط علی الله۔ ایں ہمہ دلالت میکند بر اثبات وحدت وجود وحقیقۃ الحقائق کہ مصطلح اہل حقائق صوفیہ اند وایشاں اہل اللہ کامل در شرائع واکمل الایمان اند۔

چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ در کیمیائے سعادت آوردہ وصاحب منتقط در منتقط ہم نوشتہ: اعلم ان التوحید علی اربع مراتب الاولی ان یقول لا الہ الا اللہ باللسان وقلبہ غافل عنہ او متکر لہ کتوحید المنافق والثانیۃ ان یصدق بمعنی اللفظ قلبہ کما یصدق عموم المسلمین وھو

اعتقاد والثالثة ان یشاهد ذالک بطریق الکشف

بواسطہ نور الحق وھو مقام المقربین وھو ان

یری اشیاء کثیرة لکن یراھا صادرة من الوحدة

والرابعة ان لا یری فی الوجود الواحدة وھو

مشاھدة الصدیقین۔

پس مولوی نور محمد چوں ایں کلام منجی است از غیاہب

تشکوک وظلمات اوہام بشنید یکبارگی بے قیل وقال وبے شبہ

توبۃ النصوح کرد ودر محفل جمہور عوام وخواص از علمائے کرام و

فضلائے عظام از انکار آوردن بر بزرگاں اہل اللہ اہل وحدۃ

وجود ہم از گفتن ایشاں کہ بسبب شقاوت ازلی ست و نیز

استغفر اللہ واتوب الیہ بخواند۔ از دل وجاں اقرار واعتراف

نمود کہ ایشاں اولیاء اللہ اند وصاحب کرامت اند ودیگر

آنچہ درحق معتقدین اہل اللہ ناشائستہ گفتہ بودم دنماز وروزہ

وجماعت وذبیحہ ونکاح وسلام وجواب عطسہ ودیگر امور

شرعیہ ناجائز وبے درست پنداشتہ بودم، توبہ کردم۔

و دیگر کتاب بلبل باغ بہی بعض ابیات او را کہ نور محمد محل بر کفر کردہ محض غلط و خطا کردہ کہ ترجمہ او شاں درست است۔ اما بعضے ازاں ہا مشابہت بہ ابیات مثنوی جلال الدین رومی و تحفہ مولوی جامی و کتاب فخرالدین عراقی دارند۔

پس میاں نور محمد تائب شدہ و قصور فہمید خود نمودہ نصیحت نامہ برائے تابعین خود و دیگر جمیع مسلمین نگارش کنانیدہ بردہ بمضمون آنکہ ہر یک مسلمان بر مسلمانی خود باشند یک دیگر را تکفیر و بد نگویند و نماز پس یک دیگر خوانند۔ اگر مولوی نور محمد بر توبۃ النصوح علی الدوام باند بہتر و الا اگر باز انکار اہل اللہ موصوف بر طریق وجودی باشند یا شہودی و دیگر مردم مسلمان را تکفیر و تفسیق و تذلیل و جواب سلام ندہد واجب التعزیر ہر واند کہ ہر مسلمان را کافر گوید مستحق تعزیر است۔

در فتاوی عالمگیری: من قذف مسلما بیا فاسق وھو لیس بفاسق او ابن کافر او نصرانی الی ان عزر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث فی اصل الایمان الکف عن من قال لا

اِلٰہ الا اللہ لاتکفرہ بذنب ولا تخرجہ من

الاسلام بعمل الی آخرہ - رواہ ابو داود فقط

کتب حکما محکما مرجی بتاریخ ہفتم ذی الحج ۱۲۳۵ھ

ہو العزیز الولی الرحیم	عبداللہ بن امۃ اللہ ۱۲۲۲

نشان مہر شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

یہ فیصلہ ۱۵ ستمبر ۱۸۲۰ء کا ہے - اس سے کچھ عرصہ کے لیے مخالف کی آندھیاں چلنی بند رہیں - مگر کچھ عرصہ بعد اچانک پھر مخالفت شروع ہوگئی اس بار مولوی صاحب موصوف نے اپنی تکفیر کی فہرست میں حضرات رومیؒ جامیؒ اور فہمیؒ کے ساتھ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو بھی شامل کر لیا۔

مسئلہ وحدت وجود ایک اختلافی مسئلہ ہے مگر بہر کیف ایک "مسئلہ ہے جس کے انکار یا اقرار کو اساس ایمان قرار نہیں دیا جا سکتا" وجود

ے روضۃ الزعفران ص ۹۸، نقیب الاولیا ۱۷

مطلق حقیقت الحقائق ہے" کا ترجمہ "ہر چیز خدا ہے" کرکے کفر کا فتویٰ لگا دینا خدمت اسلام نہیں۔ اس امر میں حضرت ہادی ہریانہؒ کے عقائد و تعلیمات کا ہم اگلے باب کے آخر میں ذکر کریں گے۔ یہاں آپ کی ایک تصنیف عقائد عظیم سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ہنگامہ مخالفت برائے مخالفت کا پیدا کردہ تھا:

"مسئلہ: اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تمام عالم ذات خدا کی ہے یا نفیر کی ہے۔ تو کافر ہوا۔ کیونکہ خدا کی ذات بے عیب اور بے نقصان اور بے زوال ہے اور وہ چیزیں (یعنی عیب، نقصان اور زوال۔ ناقل) آدمی اور سب خلق میں موجود ہیں"۔[۱]

لیکن اس ایک مخالفت سے مولوی نور محمد صاحب کے تمام کام پر پانی نہیں پھر جاتا۔ اس محترم شخصیت نے ضلع حصار کی تحصیل فتح آباد میں لوگوں کو عامل شرع بنانے کے لیے بڑا ہی قابل قدر کام کیا۔ ایک لحاظ سے ان کے کام کو بھی حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی تحریک کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔ اس تحریک نے لوگوں کو اصلاحی کام کی ضرورت

---

[۱] فخر المطابع ایڈیشن ص ۱۹

محسوس کرائی اور مولوی نور محمد صاحب نے تو تربیت ہی حضرت شاہ صاحب مہی رح کے حلقہ درویشاں میں پائی تھی ۔

۷

تصانیف

ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی رح کی بیشتر تصانیف اُردو کی ایک شاخ ہریانی زبان میں ہیں ۔ لسانی حیثیت سے ہریانہ کا اطلاق اضلاع کرنال و دہلی و رہتک ، جنوب مشرقی گوشہ علاقہ پٹیالہ ، مشرقی علاقہ ضلع حصار پر نیز ریاستہائے نابھہ و جنید کے متفرق علاقہ پر جو رہتک و حصار کے مابین ہے کیا جا سکتا ہے جس کی حدود اربعہ حسب ذیل ہیں :

"مشرق میں حد فاضل دریائے جمنا ہے جو اسے یالائی دو آب سے متصل کرتا ہے ۔ شمال میں ضلع انبالہ ۔ جنوب میں ضلع گوڑگانواں مغرب میں ریاست پٹیالہ اور جنوب میں ضلع حصار ۔ اس رقبہ میں وہ حصہ جو ضلع کرنال و دہلی پر مشتمل ہے اور جمنا کے مشرقی کنارے پر واقع ہے کھادر کہلاتا ہے اور وہ علاقہ جو ریاست

پٹیالہ میں نروانا سے شروع ہوکر جنوب میں جیند نظامت ضلع رہتک اور نصف مشرقی نظامت دادری ریاست جیند اور نصف شمالی حصہ ریاست نابھہ واقع مغرب ریواڑی، بانگڑ کے نام سے موسوم ہے۔ اس تمام علاقہ یعنی ہریانہ، کھادر اور بانگڑ میں ایک ہی زبان بادنیٰ تغیر بولی جاتی ہے لیکن جغرافیائی بنا پر اس کے دو نام ہوگئے ہیں یعنی ہریانہ میں ہریانی نام پسند کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیساری اور دیسوالی بھی کہتے ہیں"[۲]

اس وسیع علاقہ کی آبادی کا کم و بیش چھٹا حصہ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کرکے پاکستان آگیا۔ یہاں جو زبان بولی جاتی ہے اس کی خصوصیات کی تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہی حضرت ہادیٔ ہریانہ رح کی تصانیف کی ادبی خوبیوں کا اندازہ ہوسکتا ہے لیکن اس کے لیے ایک جداگانہ تصنیف درکار ہے اور ہمارا ارادہ آپ کی تصانیف پر تبصرہ کرنا نہیں۔ ہم صرف تعارف پر اکتفا کریں گے۔ یہاں اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ آپ ہریانی زبان کے

---

۲ حافظ محمود شیرانی: مضمون "اردو کی ایک شاخ ہریانی" مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۳۱ء

ممتاز ترین مصنف ہیں اور اس زبان میں آپ نے ہر دوسرے مصنف سے زیادہ لکھا ہے۔ آپ نے اس زبان کو ترقی دے کر اس عہد کی اُردو کے قریب لانے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔

موضوع کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آپ کی تحریروں میں نظری مباحث نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جو کچھ لکھا وہ لوگوں کی شب و روز کی عملی زندگی سے متعلق تھا یا صرف بنیادی عقائد کی درستی کے لیے تھا۔ اس طرح آپ نے اختلافی یا نظریاتی مناقشوں سے اپنے آپ کو دور رکھنے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود ایک آدھ مرتبہ آپ کو غیر متعلق بحثوں میں الجھانے کی کوشش کی گئی۔ ایک فاضل اجل کے لیے جو قلم کا دھنی بھی ہو، کتنا مشکل ہے کہ وہ اظہار ذات کی خاطر اپنے علم کی نمائش نہ کرے؟ اور ہمیشہ عوام کی ذہنی سطح پر آکر کام کرے۔

آپ نے علاقہ ہریانہ کے مسلمانوں کے عقائد و اعمال، ان کی اقتصادی حالت اور ان کے طریق بود و باند میں جو انقلاب برپا کیا شاید اس کی ایک یہ وجہ تھی کہ آپ نے تمام دنیا کے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا نہیں اٹھایا بلکہ اپنے کام کو ہریانہ اور راجستھان تک محدود رکھا۔

ہریانی زبان میں آپ کی تصانیف آپ کی حیات ہی میں قبولیت عام کا درجہ پا چکی تھیں۔ آپ کی شہادت کے بانویں سال بعد مصنف نقیب الاولیا لکھتے ہیں:

"آپ کی تصانیف کی قبولیت عام بیں بلا مبالغہ حال ہے کہ میوات، ہریانہ، سوتر، نواح دہلی غرض ملک کے ہر حصہ میں کوئی گھر خالی نہیں جہاں عقاید عظیم آخر گت ہلیل بانج تہی موجود نہ ہوں .... اگر کسی گھر میں کوئی فرد بشر کوئی بدعت یا شریعت کے خلاف کام کرتا ہے تو گھر ہی والوں میں کے کتابوں کا حسب حال موقع کوئی شعر پڑھ کر سنا دیتا ہے[۵]۔"

ان کتابوں نے تحریک کو دیرپا بنا دیا۔ مگر ان کی زبان کی وجہ سے آپ کی شہرت متذکرہ علاقہ تک محدود رہی۔ گذشتہ ڈیڑھ دو صدی میں ہریانی زبان اس قدر تبدیل ہو گئی ہے کہ اب ہریانی زبان بولنے والے پاکستانی بھی آپ کی تصانیف کے حصہ نظم کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ علاقہ ہریانہ میں اب دیوناگری رسم الخط اختیار کیا جا چکا ہے اور اسے زبان

---

۵ نقیب الاولیا ج ۲ دفتر ۲ ص ۱۸

کی ترقی سمجھا جا رہا ہے کہ اس میں سے چن چن کر عربی و فارسی الفاظ نکال کر ان کی جگہ ایسے الفاظ لائے جائیں جو مدت پہلے متروک ہو چکے تھے۔
ایسے حالات میں آپ کے کلام کی دیوناگری رسم الخط میں اشاعت اسے پھر سے مفید بنا دیتی ہے۔ شاہ محمد رمضانؒ کے بہت سے شعر ٹھیٹ ہنا ری میں ہیں اور بہت سے پاکیزہ شعر ایسے بھی ہیں جو صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں ہیں بلکہ غیر مسلموں کی اصلاح کے خیال سے کہے گئے تھے۔ ہماری مسلمانوں کی نوخیز نسلوں کے لیے یہ دینی لٹریچر بڑا ہی مفید ہوگا۔

ہمیں آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف کا علم ہو سکا ہے:

(۱) عقائد عظیم

(۲) آخر گت

(۳) بلبل باغ نبی

(۴) رنگیلی

(۵) قصیدہ امالی: اس نام کے عربی قصیدہ کا ہریانی میں ترجمہ و شرح۔

(۶) وصیت نامہ

(۷) ادب چھوکرہ

(۸) بوڑھی بیاض

(۹) فتاویٰ محمدی : ہریانی نظم میں

(۱۰) رسالہ رمضانی : علم فرائض پر

(۱۱) رسالہ برق لامع : ہریانی نثر میں

(۱۲) رسالہ ردِ روافض : ایک شیعہ عالم کے سوالات و اعتراضات
کا فارسی نثر میں جواب۔

ان میں سے پہلی چھ ہمارے پاس ہیں۔ جن سے ہم ابھی آپ کا تعارف کرائیں گے۔ ساتواں رسالہ "ادب چھوکرہ" شائع ہو چکا ہے۔ ہریانی نظم میں بچوں کو نصائح پر مشتمل ہے۔ آٹھ صفحے کا رسالہ ہے۔ ہمارے پاس بھی تھا۔ باقی پانچ کتابوں کے نام روضۃ الرضوان سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بوڑھی بیاض ایک ضخیم اور مفید کتاب بتائی جاتی ہے۔ آپ کے معتقدین میں سے کسی کے پاس ضرور ہوگی۔ علاوہ ازیں آپ کے لکھے ہوئے منظوم شجرے، بزرگوں کی شان میں دو فارسی قصائد جداگانہ ہمارے پاس ہیں اور آپ کا ایک فارسی مکتوب اپنے مرشد حضرت شاہ غلام جیلانی رح کے نام نانوں

سلوک میں شائع ہو چکا ہے۔

(۱) عقائد عظیم: عقائد کے بارے میں ایک نہایت ہی مفید کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ صوفی کم اور فقیہ و مصلح زیادہ تھے۔ ان کے نزدیک پہلی چیز اتباع شریعت تھی۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کے مجموعہ پیرزادہ کے نمبر ۱۶۸۳ پر ہے جس کی کتابت ہادی سہروردی کے چھوٹے بھائی کے پوتے پیر فلاح الدین مرحوم نے ۱۹۰۰ء میں کی۔ کاتب خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین عارف ایم اے پنجاب (۱۸۳۱ء) سی آئی ای کے برادر کلاں تھے۔ مذکورہ مجموعہ انہی پیرزادہ محمد حسین مرحوم کے نام پر ہے۔ اس سے بہت پہلے یہ کتاب سرسید احمد خان کے بھائی سید محمد خان کے مطبع سید المطابع دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ دہلی کا پہلا مطبع تھا۔ اسی سے کتاب کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے دوسری مرتبہ مولانا محمد حسین آرام پوری نے فخر المطابع دہلی سے شائع کرائی۔ اسے مولوی مشتاق احمد مرحوم صدیقی المہمی (۱۸۵۷-۱۹۱۵) نے دیمی طبع کرایا اور آخر میں ڈپٹی پیر محمد قاسم صدیقی المہمی (۱۸۷۹-۱۹۴۴ء) نے چودھری پریس رہتک میں طبع کرایا۔ یہ ایڈیشن ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہمارے

پیش نظر فخر المطابع ایڈیشن ہے۔ آغاز اس طرح ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔ اس پیچھے سن کہ یہ رسالہ ہے عقاید کے مذکور میں۔ الٰہی اس میں جو حق ہو سو بلوائیو اور تو قبول کریو اور اپنے مقبولوں کے دلوں میں قبول کروائیو اور جس چیز سے تو اور تیرا دوست بیزار ہو اپنے فضل وکرم سے بچوائیو۔ مسلمانوں سے عرض ہے جو اس میں کچھ نقصان پاویں بتاویں اور بولی کی تکرار نہ کریں کیونکہ یہ باہر کے لوگ جو عربی فارسی سے بہرہ نہیں رکھتے ان کو سمجھانے کو ہے اور انھیں کی زبان میں لکھی گئی ہے کہ آسانی سے سمجھ لیں اور نام اس رسالہ کا عقائد عظیم رکھا گیا ..... اور اس کے اکٹھے کرنے والے کا نام محمد رمضان ہے"

ایک اجاڑ ماحول میں ایسی میٹھی میٹھی سیدھی سادی باتیں کرنے والے مصلح کی شخصیت کتنی پرکشش ہوگی۔ اب ہم اس کتاب سے چند اور اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ آپ کس پایہ کے شارح

تھے اور نہایت ہی دقیق مسائل کو جملا کے کس طرح ذہن نشین کرایا کرتے تھے:

"عقیدہ مذہب اہل سنت و جماعت کا ہے: اللہ تعالے ایک ہے۔ دلیل اُس کی یہ ہے کہ اگر دو ہوتے تو دو قدرت والے ہوتے یا ایک عاجز ہوتا۔ تو جو عاجز ہوتا وہ خدائی کے لائق نہ ہوتا۔ اور دو خدائی کے لائق تو ہو نہیں سکتے۔ مثلاً ایک شخص کو ایک کہتا کہ مرجا اور دوسرا کہتا کہ جیتا رہ۔ اگر دونوں کا کہنا نہ ہوتا تو دونو خدائی کے لائق نہ ہوتے اور جو ایک کا کہنا ہوتا تو دوسرا عاجز ہوتا۔ خدائی کے لائق نہ ہوتا۔ اور جو دونوں قدرت والے ہوتے تو ایک وقت میں اس کا مرنا بھی ہو سکتا اور جینا بھی اور حالانکہ یہ ہو نہیں سکتا[۵]۔"

مفسرانہ حیثیت ملاحظہ ہو:

"نکتہ: قریب کہتے ہیں نزدیک کو اور اقرب کہتے ہیں نزدیک تر کو۔ تو آدمی بعض قریب کو دیکھ سکتا ہے جیسے اپنے ہاتھ پاؤں کو اور بعض ایسی چیز نزدیک ہوتی ہے کہ سامنے آنکھ کے ہو

---

۵ ص ۶

اور بینائی کو دکھائی نہ دے جیسے آنکھ کو آنکھ کی بینائی نہیں دیکھتی مگر قیاس سے کہ اور کی دیکھ کر اپنے اوپر قیاس کر لیا کہ ہماری بھی ایسی ہی ہے اور جان اپنے قریب ہے اور دریافت نہیں ہوتی اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے بھی نزدیک ہیں تو دریافت کیونکر ہوں[1]۔"

ہندی الاصل مسلمان رشتہ تلاش کرتے ہیں اپنے قدیم ہندوانہ رسم و رواج پر سختی سے کاربند تھے:

"مسئلہ: جو کوئی آپس میں ناطے کرنے والوں کو طعن کر کر کے کہے کہ کیا بری بات ہے کہ آپس میں بہن، بھانجی، پھوپی کو بیاہ لیتے ہیں تو کافر ہوا۔ کیونکہ پیغمبر خدا کے کام کی اور کرے کی اہانت کی[2]۔"

بعض صوفیا طریقت و شریعت کا مقابلہ کر کے شریعت کو ثانوی حیثیت دے دیتے ہیں اور اس طرح اسلامی معاشرتی نظام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا باعث بنتے ہیں:

---

[1] ص ۴۴ [2] ص ۵۲

"سوال : ولی کسے کہتے ہیں؟

جواب : صاحب شریعت آدمی کو جس کی چال پیغمبر کی شریعت پر ہووے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِن اَولیاء الا المتقون یعنی دوست اُس کے نہیں ہوتے مگر متقی۔"[1]

بعض اوقات مصلحین کے اپنے کارکن جوشِ اصلاح میں ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن کا تحریک کی رفتار پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ ہریانہ کے جنگجو ماحول میں نئے نئے پرجوش کارکنوں کو ہدایت فرماتے ہیں:

"سوال : کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں کسی کو نصیحت نہ کرنی ہو؟

جواب : وہ ہے کہ جہاں نصیحت کرنے سے لڑائی اور دنگا ہوتا ہو اور اپنے تئیں مقدور روکنے کا نہ ہو۔"[2]

۲۔ آخر گشت : ہریانی نظم میں حالات ما بعد الموت کا بیان ہے۔ یہ وہ موضوع ہے جس میں آج کل کے مسلمانوں کی اکثریت کو کوئی دلچسپی نہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے اتحاد فکر و عمل میں ضعف آنے کا باعث اور اسلامی اخلاقی اقدار سے عدم توجہ زیادہ تر خوفِ آخرت کے فقدان سے ہوتی ہے ــــ مولوی

---

[1] ص ۷۵ [2] ص ۱۱۱

رحمت اللہ مکی رح کا قول ہے "آخر گت دیکھا کرو۔ اس وقت ایسی کتاب اور تالیف نہیں ہوئی"۔ یہ کتاب ۲۵۲۲ (دو ہزار پانچ سو بائیس) اشعار پر مشتمل ہے۔ تاریخ تکمیل ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء ہے جو اس کے نام سے نکلتی ہے۔

آخر گت میں تاریخ ہے اس کتاب
ہے پھر آخرت نامہ نام کتاب

یہ کتاب بڑی ہی مقبول رہی ہے۔ کئی بار طبع ہوئی۔ پہلی دفعہ مصنف علیہ الرحمۃ کی شہادت کے چوبیس سال بعد ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء میں مطبع میرزائی دہلی میں چھپی۔ اس کے حاشیہ پر مولوی محمد علی صاحب کی آثار محشر ہے۔ جو اسی سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔ یہ مطبوعہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔ مجلس پریس دہلی کا ایک مطبوعہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ ۱۸۸۵ء میں مطبع نامی دہلی نے بھی اسے طبع کیا۔ یہ کتاب دہلی سے مولوی مشتاق احمد صدیقی الملہمی نے اور پھر ان کے فرزند پیر غلام مصطفےٰ مرحوم نے ۱۹۴۹ء میں ملتان میں طبع کرا کے شائع کی۔ حضرت ہادیؒ ہریانہ رح کی صرف یہی کتاب ہے جو پاکستان میں طبع ہوئی۔ مولوی "محمد ساکن لکھوکی نے اس

ے روضۃ الرضوان ص ۷۰

کا ترجمہ یہ اضافۂ بعض مضامین پنجابی زبان میں کیا ہے"۔ اس کے جستہ جستہ وہ شعر نقل کیے جاتے ہیں جن میں صاف زبان استعمال ہوئی ہے ۱ -

تیری ذات ہے وحدۂ لاشریک | میں دیدار تیرے کی چاہوں ہوں بیباک
فضل اور کرم اپنے سے اے کریم | مجھے حکم اپنے کا کر تو علیم!

دعا یاں مرن کی کبھی تو نہ مانگ | کہ شاید کبھی ہووے نیکی کا سانگ

کوئی بے ادب طعن رب کو کرے | تو شیطان اس شخص کو جان لے
جو مجلس میں یہ ذکر کرنے لگے | اسے دے اٹھایا تو خود اٹھ رہے

جو رکھیں ڈنگر اور گھوڑے، اشتر | نہ کھانے، نہ دانے کا رکھیں فکر
بہت دیویں ناحق کوئی ان کو مار | قیامت کو حق سیں کریں گے پکار
جلیں اس سبب آگ دوزخ اندر | مسلماں کرو عاقبت کی فکر

ا حافظ محمود شیرانی: اورینٹل کالج لاہور میگزین فروری ۱۹۳۲ء ص ۲۸

پناہ تیری چاہوں ہوں اس علم سے ۔۔۔۔ کہ جس سے نہ ہو فائدہ کچھ ہیں

۳۔ بلبل باغ نبی: ہریانی نظم میں کم و بیش ساڑھے چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آخیر میں تاریخ تکمیل ۱۳ رجب ۱۲۲۶ھ (۳۱ اگست ۱۸۱۱ء) دی ہوئی ہے:

سن ہوئے چھبیس بارہ سے اُوپر ۔۔۔۔ ہجرت احمدی کی سن خیر

اتنے جب گذر گئے ہوئی تھی یہ کتاب ۔۔۔۔ ختم تب واللہ اعلم بالصواب

ماہ رجب تیرویں، دن اعتوار ۔۔۔۔ جب ہوئی فضل خدا سیں یہ طیار

اصل نسخہ کے حاشیہ پر حضرت ہادی ہریانہ رحمتہ نے بعض اشعار کی شرح بھی تحریر فرمائی تھی جو بعد کے بعض قلمی نسخوں میں نقل بھی ہوئی اور بعد کے نسخوں اور مطبوعہ ایڈیشنوں میں نہیں پائی جاتی مگر نقیب الاولیا جلد دوم دفتر دوم مطبوعہ ۱۳۳۲ھ میں نقل ہوئی ہے۔ تشریح فارسی میں ہے۔ مصنّف علیہ الرحمۃ کی حیات میں ہی اس کتاب کا کم از کم ایک ایک قلمی نسخہ ہریانہ کے ہر اس گاؤں میں پایا جاتا تھا جہاں نماز با جماعت ہوتی تھی۔ ہمارے پاس حافظ غلام حیدر کا کتابت کردہ نسخہ ہے جس کی تکمیل عہد محمد اکبر شاہ بادشاہ (۱۸۰۶ - ۱۸۳۷ء) میں محلہ بائی واڑہ (شہر کا نام نہیں

لکھا) میں ہوئی۔ ایک قلمی نسخہ جس کے کاتب شاہ محمد رمضان رح کے بھتیجے مولوی محمد یعقوب صدیقی المہمی (۱۸۲۲ - ۱۸۹۱ء) ہیں تھانہ بھون ضلع جہلم میں پیر رضا احمد صاحب صدیقی المہمی کے پاس بتایا جاتا ہے۔ ایک اور قلمی نسخہ ملتان میں حضرت قاری وصاحب حسن صدیقی الرہتکی ثم ملتانی کے پاس ہے اس کی کتابت ۱۹ شوال ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۱ء کو شیخ امیر علی بن بشارت علی نے محلہ چشتیاں رہتک میں ختم کی۔ یہ کتاب بھی ایک سے زائد مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔ ہمارے پاس اس مطبوعہ ایڈیشن کا ایک نسخہ ہے جو مولوی مشتاق احمد صاحب صدیقی المہمی نے ۱۳۳۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے طبع کرا کے شائع کرایا۔ اس ایڈیشن میں تصحیح کی سہو نظر کی وجہ سے کئی شعر غلط چھپ گئے۔ سنگین غلطی صفحہ ۱۳۰ پر ہوئی۔ جہاں دو شعر غلط چھپنے سے مصنف علیہ الرحمۃ کا نسب نامہ غلط ہو گیا یعنی شیخ مبارک سے اوپر تین پشتوں کے نام محمد سلیمان کمال الدین اور غیاث الدین درج ہونے سے رہ گئے۔ مبادا یہ غلطی چلتی رہے اور سند کے طور پر یہ ایڈیشن استعمال کیا جائے ہم قلمی نسخوں سے یہاں حضرت شاہ محمد رمضان شہید المہمی رح کا کرسی نامہ نقل کرتے ہیں۔ اس کی تصدیق اس خاندان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسب ناموں سے بھی ہوتی

ہے :

کرسی نامہ حضرت ہادی ہریانہ

نام اس احقر بنائی یہ کتاب — نام ہے رمضانی[1]، محمد اہل شتاب
وہ ہے بیٹا شیخ بیو عبد العظیم[2] — وہ ہے بیٹا مولوی عبد الحکیم[3]
وہ ہے لطف[4] اللہ، عطا اللہ[5] کا — وہ ہے سیف[6] اللہ شیخ راہ کا
وہ ہوا بیٹا مبارک[8] با جمال — وہ ہوا بیٹا شیلمان بن کمال[9]
وہ غیاث[10] الدین، ظہیر الدین[11] کا — وہ کبیر[12] الدین جو جھم آکر بسا
وہ ہوا بیٹا قوام[13] الدین کا — آن کر جھجنیر سیں رہتک بسا
شہر ہے جھجنیر گرد سیتان — سیر کی تقریب آئے تھے وہاں
وہ حسام[14] الدین، نظام الدین[15] کا — وہ محی الدین[16]، علاؤ الدین[17] کا
وہ معین[18] الدین، کمال الدین[19] کا — وہ یمن سے سیستاں میں آ بسا
وہ امام[20] الدین، شمس[21] الدین کا — جو کہ شہر یمن میں آکر بسا
حسام[22] الدین وہ احمد[23] کا پوت — وہ ہوا محمود[24] بن بوبکر[25] پوت
وہ جو ابراہیم[26]، اسمٰعیل[27] کا — وہ جو عبد اللہ[28] صاحب ڈیل کا

عبد الرحمن[29] کا ہوا بیٹا سنو
وہ ہوا بوبکر[30] کا صدیق جو

اس طرح حضرت ہادی ہریانہ رحؒ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی انتیسویں پشت سے تھے۔ مندرجہ بالا کرسی نامہ میں نمبر۲۶ پر محی الدین نام آیا ہے ان کا دوسرا نام یا لقب فخرالدین تھا۔ اس کرسی نامہ کی اسناد ہماری تالیف قوام الانساب میں ملیں گی اور شاہ محمدؒ رمضانؒ کے آبا کا تذکرہ دوسری کتابوں کے علاوہ ہماری تالیف مآثر الاجداد میں ہوا ہے۔

کتاب بلبل باغ نبی کے موضوعات راہ سلوک، مسائل فقہ، اخلاقیات، حقوق و فرائض، آداب محفل، شمائل النبی، اسمائے باری تعالےٰ وغیرہ ہیں آپ کی یہ تصنیف بھی بڑی مقبول رہی۔ دینی مسائل میں اب بھی بعض ہریانوی مسلم راجپوت اس کے اشعار سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ شرح اسمائے باری تعالیٰ میں بعض کی شرح وحدت وجودی طریق پر کی گئی ہے جن کے خلاف ضلع حصار کے ایک بزرگ مولوی نور محمدؒ صاحب نے کتاب شہباز شریعت لکھی۔ شہباز کے جواب میں کئی کتابیں لکھی گئیں چنانچہ مولوی غلام کبریا کی صاحب زادی نے رسالہ جرّہ لکھی۔ اسی سلسلہ کی ایک اور کتاب شیر رسول مولوی غلام رسول صاحب عالم پوری نے شائع کرائی اور خان بہادر مظفر احمد فضلی نے سیمرغ طبع کرائی۔

(۴) تکمیلی : ہریانی میں ایک سو نواسی اشعار پر مشتمل ہے۔ ہمارے پاس اس کے دو قلمی نسخے ہیں۔ شائع ہو چکی ہے مگر اس کا مطبوعہ ایڈیشن ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ نمونہ :

۵۵ چوتھی یہی ہے بات نیاری — روٹی کارن خلق بگاڑی

۵۶ فرق حلال حرام نہ جانے — منع کرے تو لیوے بہانے

۵۷ طلب علم و تقویٰ میں رہے — مولوی صاحب اوس کوں کہے

۵۸ دھرتی اُوپر کوئی نہ ہیّا — جس کا رزق نہیں نے رکیّا

۶۱ روٹی کارن احمدی ، پیتم کو مت نیاگ
سر کے سانٹھے اب ملیں تو بھی دھن دھن بھاگ

۶۲ بنجم ایک اچنبا دیکھا — ڈاہ جلاوے ہر ہر لیکھا

۶۳ یہ جان وہ مال بڑائی — اوہ ناہ ہو۔ مجھ ہوئے سوائی

---

۵۸ ہیّا : ذی روح ، رکیّا : کیا ۶۱ پیتم کو مت نیاگ : تمدا کو نہ چھوڑ ، سانٹھے : بدلے ۔ دھن دھن بھاگ : خوش قسمتی : نہال ہونا ۔
۶۲ ڈاہ : حسد ، ہر ہر لیکھا : تمام باتوں میں ۶۳ مال : فخر ، بڑائی : بڑائی ، او : وہ ، ناہ : نہیں ، سوائی : زیادہ

۷۹ مغتم بات یہ من ماں آئی	خلقت چاہے بہت بڑائی
۸۰ کوسئے گرب کرے یہ مالا	کوئی سورا، کوئی کلنہ والا
۸۱ اللہ صاحب یوں فرمایا	سوئی، بڑا، مجھ پہنچانا
۸۲ وہی بڈا جن تقوے کیا	سب پر اسے بڈائی دیا
۸۳ جیسا تقوے جس نے کیا	ویسے چاہے بڈائی لیا
۸۴ سید، شیخ یا ہووے گولہ	جس گھر تقوے، سوئی اولی
۸۵ چھاڈ سبھی جب تقوی لیا	بات ساتویں یہ نخی بھیا

۸۶ جو تجھ درجہ چاہیئے راضی آپ اللہ
ذات بھانت کو بیچ کر تقوے لیے بساہ

(۵) قصیدۂ امالی : یہ عربی کے مشہور قصیدۂ امالی کا منظوم ترجمہ ہے۔ اور حضرت ہادیؒ ہر بانپوری کی ان چیزوں میں سے ہے جو بلا تکلف ہندی رسم الخط میں شائع کرائی جا سکتی ہیں۔ یہ عقائد عظیم کے ساتھ کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے ہندی نظم میں کل باون شعر ہیں۔ جن میں سے اکثر شعر اُردو دانوں کے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ مولوی محمد اصغر صدیقی الٰہی

---

۸۰ گرب : تکبر، سورا : بہادر ۸۶ بساہ : لیکر

(۱۸۷۴-۱۹۳۹ء) نے اسی قصیدہ کا اُردو نظم میں کیا تھا جو ان کے غیر مطبوعہ مجموعۂ کلام "نعرۂ ابوالولا" میں پایا جاتا ہے۔ یہاں ہم اس قصیدہ کے صرف ابتائی چند شعر پیش کرتے ہیں۔ ترتیب یہ ہے کہ پہلے اصل عربی قصیدہ کا شعر ہے پھر شاہ محمد رمضانؒ کا ہندی ترجمہ اور آخیر میں مولوی محمدؐ اصغر کا اُردو ترجمہ۔

۱

الہ الخلق مولیا قدیم　　وموصوف باوصاف الکمال

ہے اللہ سب خلق کا آد پوجاون ہار
سبھی گنو پورا سدا دھن و سرجن ہار

قدیمی ہے وہ معبود خلائق　　ہیں اسکے وصف کامل بالحقائق

۲

ہو الحی المدبر کل امر　　ہو الحق المقدر ذوالجلال

آد انت جیسے سدا کرے سبھو تدبیر
سچی طوطی بول دی جو کچھ ہے تقدیر

وہ زندہ کرتا ہے تدبیر سب کی　　وہ سچا تو دہے اور تقدیر اسکی

۳

مرید الخیر والشر القبیح　　ولکن لیس یرضی بالمحال

بھلی بری سب پر گھٹی گھٹانی آپ خدا

بدیوں سے راضی نہیں نیکی ساتھ رضا

کہ خالق خیر و شر کا بھی وہی ہے　　ولیکن شر سے وہ ناراض بھی ہے

۴

صفات اللہ لیست عین ذاتٍ　　ولا غیر سواہ ذو انفعال

گن تو ناہہ گنونت ہے گنیا جدا نہ گن

اد انت پورا گنو باندھ اسی سے دھن

صفات حق نہیں ہیں عین اسکی　　نہ ہاں اس سے جدا اور غیر اسکی

۵

ولیس الاسم غیر المسمی　　لدی اہل البصیر خیر آل

جدا ہوئے نہیں نام سے نامی لکھ دل بوجھ

نام لیے سے آ جڑے نامی کی چت سوجھ

جدا نامی سے نام اس کا نہیں ہے　　عقیدہ اہل سنت کا یہی ہے

۶

دناں ان جوہر ربّے وجسم ولا کل و بعض ذو استمال

نہیں کسی رب بیچ جڑ ٹکانہ کسے ہو نال

کمی نہ سارا شکل دہڑوں وہموں پاک خیال

نہیں ہے جسم د جوہر حق تعالےٰ ہے جزو کل سے وہ بالکل نرالا

(۶) وصیت نامہ : ہریانی نظم میں ستاون شعر ہیں۔ ہمارے پاس اس کے دو قلمی نسخے ہیں جن میں سے ایک کے کاتب محمدؐ ابراہیم ولد میاں امام بخش ہیں اور تاریخ کتابت ۲۹ ربیع الاوّل ۱۲۶۱ھ ہے۔ فرائض و معاملات کے بارے میں اس نظم کو حضرت ہادی ہریانہ کی تعلیمات کا نچوڑ سمجھنا چاہیئے۔ یہ وصیت نامہ ہر مرید یاد رکھتا تھا اور اب بھی آپ کے سلسلہ کے منتسبین اسے یاد رکھتے ہیں۔ نمونہ

اے میاں صاحب سُنو تین جو بات ہیں ۵ بھولیوں نا ہرگز نہیں دن میں وکیا رات میں

ہو کوئی تجھ سے بڈا۔ دیے جو تعلیم وہ ۶ لینے سے غافل نہ ہو۔ کان سے دل کے سُنو

دوسرے جو مرتبہ تیرا ہو جاوسے بڈا ۷ ادب نہیں چھوڈیو خلق خدا اور خدا

کا ڈھیو ہرگز نہیں دل سے کبھی رب کا ڈر ۸ حاضر و ناظر خدا۔ رات دناں رکھ نظر

آپ نے مقدور بھر "چاہ نہ شہرت کبھی ۱۴ آفت ہے یہی سی۔ شہرت" پر عمل کیا۔
اس وصیت نامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جتنی بھی نصائح ہیں
حضرت ہادی ہریانہ رح تمام عمر خود ان پر عامل رہے۔ اس کے ہر شعر میں ان
کی اپنی شخصیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ وصیت نامہ ایسا نہیں کہ اسے
گوشۂ گمنامی میں پڑا رہنے دیا جائے۔ اب ڈیڑھ صدی پہلے ہریانی زبان
میں اس قدر تغیر آچکا ہے کہ اس کے بعض شعر اب ہریانہ میں بھی ناقابل فہم
ہیں۔ آپ کے نواسہ مولوی عبدالشکور (۱۸۳۳ - ۱۹۱۵ء) کے خلیفہ سید
عطا الحق مدرس اینگلو عربک سکول دہلی نے بغیر ایزاد مضامین اسے
ایک سو تیرہ شعروں میں اردو نظم کا جامہ پہنا کر ۱۹۱۴ء میں دہلی سے شائع
کیا تھا۔ اس مطبوعہ نظم کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے۔ کچھ شعر یہاں نقل کیے
جاتے ہیں:

تجھ کو دے تعلیم جو تیرا بڑا — اس کو لینے سے نہ منہ کو موڑنا
خالق و مخلوق کا کیجو ادب — تا ہو تجھ پہ زیادہ فضل رب
اپنے رتبہ پہ نہ اتراتا کبھی — ہے تواضع ہی نشانی بزرگ کی
دل میں رکھنا اپنے ہر دم خوف رب — جاں حاضر اور ناظر روز و شب

با جماعت تم پڑھو دائم نماز　　تاکہ ہو جائے در مقصود باز
ہو جو جاہل شرع سے باہر فقیر　　مت بنانا اس کو ہرگز اپنا پیر
اپنی شہرت سے سدا کرنا حذر　　ہے مصیبت اور آفت کا یہ گھر
نام کو اپنے چھپا جتنا بھی ہو　　مت بنا قیدی کسی کو اپنے کو
مت بنا تکیہ برکان و خانقاہ　　درد سر ہے مفت کا یہ خواہ مخواہ
اپنے سے غیروں کو مت سمجھو حقیر　　کیونکہ یہ ہرگز نہیں شان فقیر
نہ پہن یو دے پرانے پارچات　　کر حذر ریشم سے اے عالی صفات
امر بالمعروف تو جو کچھ کرے　　ہے مناسب پہلے خود عامل بنے
مت مریدوں سے کبھی کریو سوال　　اپنے آقا ہی سے کہیو اپنا حال
تنگ کیجو مت مریدوں کو کبھی　　جاکے بہر نذر و نیاز دنیوی
شیخ گر ملتا نہیں ہے متقی　　اہل دل اور تابع فرماں نبی
کیوں ہوا ہے لغو اسموں کا اسیر　　کیا نہیں کافی تجھے قرآن پیر
کیا نہیں کافی تجھے اس کی حدیث　　بھاگتا تھا جس سے شیطان خبیث
کیا نہیں شافع تجھے کافی رسول　　ڈھونڈتا ہے کیوں شفاعات فضول
کیا نبی اور کیا ولی اور کیا امام　　کیا شہید راہ حق شیخ امام

الغرض ہیں جس قدر چھوٹے بڑے   نفسی نفسی سب پکاریں گے کھڑے

سب اسی توشہ کی دیکھیں گے طرف

جس کو ہے الا بادنہ کا شرف

۸

سفرِ حج اور شہادت

۱۸۲۴ء میں آپ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے سات مخلصین کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ساحل سمندر تک کچھ سفر بہلی میں طے کیا کچھ پیدل۔ راستہ میں پڑنے والے ہر مقام پر آپ وعظ و تلقین فرماتے گئے۔ وسط ہند کے شہر مندسور میں کئی روز تک قیام رہا۔ ہر روز وعظ ہوتا اور لوگ جوق در جوق شرکت کرتے۔ کچھ بوہرے بھی آپ کے وعظ سے متاثر ہو گئے تو بوہرہ جماعت نے آپ کے جلسوں میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حج کا دن قریب تھا اس لیے آپ جہاز پر سوار ہو گئے۔ جہاز میں بھی بدستور سلسلہ وعظ و تلقین جاری رہا۔ آپ کے گرد ہمیشہ ایک ہجوم لگا رہتا۔ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس کے بعد آپ عازم ہندوستان ہوئے۔

حج سے واپسی پر مندسور میں آپ کا شاندار استقبال ہوا۔ آپ نے

مسجد میں قیام فرمایا۔ اس مسجد کے پاس کچھ بوہروں کے مکان تھے۔ منگل کے روز آپ اور آپ کے ہمراہی نماز کے بعد مسجد میں مراقب تھے اور معمولات و مشاغل میں مصروف تھے کہ بوہروں کی ایک جماعت شور و غل کرتی ہوئی مسجد میں آگھسی۔ اس وقت مسجد میں آپ کے پانچ ہمراہی حاجی رحمت خاں، حاجی گل محمد پٹھان، حاجی نور محمدؒ کا ہنوری، حاجی قمرالدین سکنہ دانگ ضلع حصار اور سید عبدالقادر تھے۔ نیز سید علی احمد کرنالی اور قاضی معین الدین مانڈل گڑھ والے اور پرتاپ گڑھ کے قاضی صاحب مصروف عبادت تھے۔ قاضی صاحب پرتاپ گڑھ پچاس آدمیوں کے ساتھ حضرت شاہ محمد رمضانؒ کو اپنے ہاں لے جانے کے لیے آئے تھے۔ یہ پچاس آدمی شہر میں کسی اور جگہ مقیم تھے۔

مسجد میں مقیم ان حضرات نے بوہرہ ہلڑبازوں کو مسجد سے نکالنے کی کوشش کی۔ اسی اثنا میں ایک مسلح ٹولی نے مسجد پر ہلہ بول دیا۔ حاجی رحمت خاں نے بندوق اٹھائی اور شست باندھی ہی تھی کہ آپ نے روک دیا اور فرمایا کہ پہل کر کے ثواب گنواتے ہو۔ ان سے بندوق چھین لینا چاہی بندوق نیچے گر گئی اور اس کا کندہ ٹوٹ گیا۔ فوراً حملہ آوروں نے بندوقیں

چلادیں۔ اس پر اجازت لے کر حاجی رحمت خاں اور حاجی گل محمد خاں ولایتی تلواریں میان سے سونت کر اُٹھے۔ سات آٹھ حملہ آوروں کو زخم آئے باقی نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ بوہرے ساتھ کے مکان پر چڑھ کر گولیاں برسانے لگے۔ سب جاں نثاروں نے حضرت شاہ صاحب کو بیچ میں لے لیا کہ آپ پر آنچ نہ آئے۔ اتنے میں بوہروں کی ایک مسلح جماعت مسجد کا دروازہ توڑ کر اندر آگھسی۔ یہ جمعیت بہت بڑی تھی ان میں چالیس تو زیدی عرب تھے جو نشانہ بازی میں مشہور تھے اور ایسے ہی موقعوں کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ دست بدست لڑائی میں تو کچھ دیر مقابلہ رہا۔ آخر" شجر ولایت کے برگ وبار جھڑنے لگے۔ سب سے پہلے حاجی رحمت خاں نے زیر ناف گولی کھائی اور شہید ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کے بعد قاضی معین الدین مانڈل گڈھ والے کی باری آئی۔ پھر سید عبدالقادر نے جام شہادت نوش کیا۔ بعد ازاں سید احمد علی صاحب جاں بحق تسلیم ہوئے حاجی گل محمد صاحب کے دونوں پاؤں کٹ گئے اور حاجی نور محمد صاحب کے اوّل ایک کاری زخم تلوار کا لگا پھر ایک گولی ران میں ایسی لگی کہ بیتاب ہو کر گر پڑے۔ حاجی قمرالدین اور قاضی جی پرتاپ گڈھ والے بھی سخت

مجروح ہوئے۔ قافلہ سالار حضرت شاہ محمد رمضانؒ ساتھیوں کی شہادت
سے پہلے ہی بازؤں میں دو گولیاں کھا چکے تھے۔ اب ان بہادروں کے
شہید ہونے کے بعد دو گولیاں اور آپ کے سینہ مبارک میں آکر لگیں۔۔
۔۔۔۔ ایک گولی جبین مبارک میں ایسی آکر لگی کہ دماغ کو چیرتی ہوئی دوسری
جانب نکل گئی۔ آپ معاً سجدے میں گر پڑے اور طائر روح قفس عنصری
سے پرواز کر گیاؒ۔

یہ واقعہ ۲۸ جمادی الاوّل ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۸۲۵ء کا
ہے۔ ابھی حملہ آوروں کا جوش انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ انھوں نے ہادیٔ برحق
کی نعش پر خنجر اور تلواروں کے پینتالیس زخم لگائے اور آپ کا معمولی سامان
اور قیمتی کتب خانہ لوٹ کر چلے گئے۔ شہید علیہ الرحمۃ کے باقی ماندہ ساتھی جو
ناکہ بندی کی وجہ سے نہ آسکے تھے اب مسجد میں آگئے۔ زخمیوں کو پانی پلایا
اور نعشوں پر آنسو بہا کر چادریں ڈال دیں۔

فوراً ہی ایک آدمی نیمچ چھاؤنی بھیجا گیا جہاں الگزانڈر کا رسالہ پڑا
ہوا تھا جس میں حضرت شہیدؒ کے معتقد ہر یانی سپاہی تھے۔ قاضی شہر

ؔ روضۃ الرضوان صفحات ۱۰۸ اور ۱۰۹

حاکم مندسور کے پاس اطلاع کے لیے گئے لیکن وہ پہلے ہی فتنہ پردازوں سے ملے ہوا تھا۔ لوگ افسوس کرتے ہوئے مسجد میں جمع ہو گئے اور پھر شہر میں ہر طرف فساد برپا ہو گیا۔ کرنل الگزانڈر نے فوراً فوج کا ایک دستہ مندسور بھیجا۔ قاضی شہر نے آپ کی نعش کو پالکی میں رکھا اور دوسرے شہدا کو چارپائیوں پر لٹایا۔ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد باقی شہدا تو وہیں دفن کر دیے گئے اور آپ کی نعش کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ نیمچ چھاؤنی لے گئے۔ وہاں لکڑی کے تابوت میں رکھ کر چھ ماہ کی میعاد پر نعش مبارک سپرد خاک کر دی گئی۔

حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہیؒ کے برادر اصغر شاہ محمد اسمٰعیل رح (شہید جنگ آزادی) چالیس معتقدین اور سولہ کہاروں کو ساتھ لے کر ۱۱ رمضان ۱۲۴۰ھ کو نیمچ گئے۔ ۵ شوال کو تابوت نکالا اور زخمی ہمراہیوں کو ساتھ لے کر یہ قافلہ مہم کو روانہ ہوا۔ راستہ میں ہر بستی کے لوگ جوق در جوق زیارت کو آتے اور ہر جگہ نماز جنازہ ادا کی جاتی۔ جب یہ قافلہ مہم پہنچا تو گرد و نواح کے لوگ اور سارا قصبہ امنڈ پڑا۔ قصبہ کے باہر تمام رات نماز جنازہ ہوتی رہی۔ ۴ ذیقعدہ ۱۲۴۰ھ کو آپ سپرد خاک

کردیے گئے۔

آپ کا مزار ہم میں ہے۔ مقبرہ ایک شاندار خانقاہ میں ہے جسے پہلے شیخ بہاول بخش تحصیلدار اور رئیس باول کا نٹھ نے سادہ بنوایا تھا پھر اس پر استرکاری جھجر کے سپہ سالار عبدالصمد خاں نے کرائی۔ اس وسیع خانقاہ کا فرش اردگرد کی زمین سے اوسطاً بیس فٹ بلند ہے۔

عرس آپ کا عرس ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ جمادی الاول کو ہوا کرتا تھا۔ اس عرس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف قرآن خوانی ہوتی تھی۔ بعض اوقات نعت خوانی بھی ہوجاتی تھی جس میں اس بات کا خیال رکھا جاتا کہ کوئی مشرکانہ بات نہ ہو۔ خواتین اور قوالوں کو عرس میں شرکت کی اجازت نہ تھی۔ خداترس اور نیک نفس سجادہ نشینوں نے اسے پرکشش اور منفعت بخش جگہ بنانے کے لیے کسی بدعت سئیہ کی ترویج نہ ہونے دی۔ آپ کا خاندان ایک صوفی منش خاندان تھا۔ مگر اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے آپ نے کسی کو بھی اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ آپ کی تعلیم تھی:

مت بنا تکیہ نکان و خانقاہ
دردسر ہے مفت کا یہ خواہ مخواہ

قطعاتِ تاریخِ شہادت

از منشی محمد حیات خاں رامپوری

زدنیا شاہ رمضان شد چو راہی | بعالم گشت در ہر سو سیاہی
سروشِ غیب تاریخش بیاں کرد | "شہیدِ خاص مقبولِ الٰہی"

١٢ ھ ٧٠

از میاں ظہور علی صاحب ظہور

جناب شاہِ رمضاں قطبِ آفاق | سراپا معرفت عرفاں مآبے
معزز شد بہ تشریفِ شہادت | بہ جنت رفت آں عالی جنابے
ظہور از بہرِ تاریخِ شہادت | خرد گفتا "خسوفِ آفتابے"

١٢ ھ ٧٠

از امین الرحمٰن صدیقی

ولیِ ؒ و سالک و عالم محمد رمضاں
کہ بود مثلِ صحابہ معینِ دینِ متیں
چو کرد عزمِ جناں از برائے سالِ وصال
"برفت ہادیِ منزل شناس" گفت امیں

١٢ ھ ٧٠

اولاد آپ کی شادی حضرت شاہ سلام اللہ صدیقی الھی کی دختر سے ہوئی۔ شاہ سلام اللہؒ قلعہ معلیٰ دہلی میں شہزادیوں کی تعلیم پر مامور تھے اور اسی خانوادے کی شاخ مفتیان سے تھے۔ دو لڑکے ہوئے جن کا خورد سالی میں انتقال ہوگیا۔ تین لڑکیاں ہوئیں جن کی اولاد ہوئی۔ حضرت شاہ محمدؒ رمضانؒ کے خاندان کے تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد میم اور رہتک سے ہجرت کرکے ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگئے اور اب زیادہ تر کراچی، ملتان، لاہور اور راولپنڈی میں آباد ہیں۔

تبرکات ہادیٔ ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی ذات سے لوگوں کو جو عقیدت تھی اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کی چھوڑی ہوئی ہر چیز کو تبرک سمجھ کر محفوظ کیا جاتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر اس مردِ مومن کا اثاثہ ہی کیا تھا۔ ذاتی کتب خانہ اور چند ایک استعمال کی چیزیں جو سفر میں ساتھ رکھا کرتے تھے وہ سب آپ کو شہید کرکے لوٹ لی گئی تھیں کچھ اور چیزیں جو باقی بچ رہی تھیں ۱۹۴۷ء کے نذر ہوگئیں۔ آپ کا ایک پرنجی قلمدان اور پہننے کے دو پارچات

پیرزادہ عبدالرشید صاحب صدیقی الہمی کے پاس ملتان میں محفوظ ہیں
آپ نے ملہمات جمال ہانسوی کی ۱۲۰۷ھ میں کتابت کی تھی یہ نسخہ
پیرزادہ شفیق احمد صاحب صدیقی الہمی کے پاس لاہور میں ہے۔ شاید
اور لوگوں کے پاس بھی بعض چیزیں بچ رہی ہوں۔

ہمارے پاس پانچ کاغذ ایسے ہیں جن پر آپ کے دستخط ثبت ہیں
یہ کاغذات پنجم صفر ۱۲۲۰ھ، ۲۵ شوال ۱۲۲۰ھ، ۲۷ شوال ۱۲۲۷
۲۵ شعبان ۱۲۲۹ھ اور ۲۹ رمضان ۱۲۳۲ھ کے ہیں۔ ان کاغذا
کو ہم نے کنز الآثار میں نقل کر دیا ہے۔

خلفا آپ کے خلفا میں سے ایک بزرگ شاہ محمد غوث گنگوہی تھے جو
سے حضرت ہادی ہریانہ کے بھتیجے اور داماد مولوی شاہ عبدالغنی
الہمی کو خلافت ملی۔ آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشینی کا سلسلہ شروع
ہو گیا چنانچہ ان کے بعد ان کے فرزند حافظ وزیر الدین اور پھر ان کے
بیٹے حافظ محمد قاسم (۱۲۶۱-۱۳۴۹ھ) سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت
شاہ محمد رمضان رح کی خانقاہ کے ان متولیان اور سجادہ نشینوں کے
متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک پاکباز، زاہد

اور متقی تھا۔ اتنی عالی قدر ہستی کے سجادہ نشین ہونے کے باوجود ان میں سے کسی کی بھی مالی حالت بہت اچھی نہ تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی ایک سے زیادہ شادی نہ کی اور کسی نے بھی خانقاہ کو بدعات کا اڈہ نہ بننے دیا۔

خلفا

گو آپ کا نسبی سلسلہ نہ چلا مگر آپ کا روحانی فیض اب تک جاری ہے۔ آپ کے جن خلفا کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:

(۱) مولوی شاہ محمدؒ غوث گنگوہیؒ: حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد سے تھے اور شاہ عبدالکریم چشتی کے فرزند تھے۔

(۲) میاں شاہ پیر محمدؒ: موضع ملتانیاں نواح بٹھنڈا کے رہنے والے تھے۔ اوائل عمری میں موضع شیر خاں والا علاقہ پٹیالہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ سائیں رحمت شاہ ڈسکوی اور فتح محمد نابینا ایسے بزرگ آپ کے مرید تھے۔

(۳) مولوی خدا بخش ڈسکوی: آپ عسل پور کے رہنے والے تھے۔ سائیں رحمت شاہ کے والد تھے۔ ذات کے راجپوت۔ حافظ قرآن اور عالم باعمل تھے۔

(۴) میاں معصوم علی : نارنول علاقہ پٹیالہ میں مادر زاد عریاں پھرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب حضرت ہادئ ہریانہؒ وہاں تشریف لے گئے تو اس حال میں سامنے آ کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا "جا، کپڑے پہن ننگا مت پھر" اسی وقت حالت جذب سے ہوش میں آ گئے۔ انھوں نے انگریزوں کے ملازمین اور متوسلین کے ہاں کبھی کھانا نہیں کھایا۔

(۵) میاں عبداللہ شاہ درویش : موضع منگالہ کے کاشتکار تھے۔ حضرت شہیدؒ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ صاحب نسب اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ پہلے دہلی میں گلی شاہ تارا میں قبروں والی مسجد میں قیام رہا۔ پھر شاہ گنج میں فصیلوں کے قریب ایک چھپر بنا کر اس میں جا رہے۔ اس چھپر کی جگہ ایک پختہ مسجد بن گئی۔ ان کے مشہور خلفا میں میر اشرف علی، میر ہاشم علی دہلوی، حاجی نور محمد کا ہنوری اور میاں لال شاہ ریواڑی والے تھے۔

(۶) قاری محمد بیگ دہلوی : حضرت ہادئ ہریانہؒ نے آپ کے علاوہ سلسلہ نقشبندیہ میں اور کسی کو بیعت نہیں کیا۔

(۷) حافظ محمد ضیا الدین : مولوی معین الدین نارنولی کے فرزند تھے۔ انھوں نے شاہ شہید مہمیؒ کی وحدت وجود کی تعلیم پر ایک کتاب لکھی تھی۔

(۸) میاں منور شاہ لاہوری : پہلے ہندو سادھو تھے۔ ہادیؒ ہریانہؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

(۹) میاں حاجی خدابخش : سکنہ اہروال ضلع حصار

(۱۰) شیخ عظیم الدین صدیقی المہمی : ان کا شجرہ نسب ساتویں پشت پر ہادیؒ ہریانہؒ سے ملتا ہے۔ اپنے خاندان کے یہ واحد بزرگ تھے، جنھیں آپ نے خلیفہ بنایا مگر انھیں بھی تحریری سند خلافت نہ دی۔ انھوں نے حضرت شاہ محمد رمضانؒ کے حالات پر دو کتابیں لکھی تھیں۔ دونوں فارسی میں۔ ان میں سے پہلی کتاب صراط العرفان ضخیم تھی جو ہماری نظر سے نہیں گزری مگر اس سے مصنف دفتۃ الرضوان نے اپنی کتاب کے لیے حالات لیے۔ دوسری جو مختصر ہے اس کا نام انیس الاعتقاد ہے۔ اس کا مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی نسخہ ہمارے پاس ہے۔ ان کا سلسلہ نسب منقطع ہو چکا ہے۔

(۱۱) پیر امیر بخش : موضع بلیالی کے رہنے والے تھے۔

(۱۲) پیر جی شہاب الدین ساکن جھنجھنو

(۱۳) قاضی غلام محمدؒ فتح آبادی

(۱۴) میاں شاہ محمدؒ بودلہ سکنہ بگھر

(۱۵) میاں حاجی شاہ محمدؒ ولائتی

(۱۶) میر حیدر علی نارنولی

(۱۷) میاں امیر حسین علی

(۱۸) حافظ رحمت عرف چندو

(۱۹) حافظ مستقیم

(۲۰) حافظ قلندر بخش

(۲۱) قاری دیندار نابینا

(۲۲) مولوی احمد یار خاں فتح پوری

(۲۳) میاں جماعت علی شاہ

(۲۴) میاں جلال شاہ

کتابیات

۱- انیس الاعتقاد:

حضرت ہادیؒ ہریانہ کے حالات پر شیخ عظیم الدین صدیقی المہمیؒ متوفی ۱۸۶۳ء نے یہ مختصر فارسی رسالہ لکھا تھا۔ شائع نہیں ہوا مگر مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا اس کا قلمی نسخہ ہمارے پاس ہے۔ اس رسالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مصنف نے حضرت شاہ صاحب مہمیؒ کے حالات پر ایک تفصیلی کتاب سراج العرفان لکھی تھی۔ روضۃ الرضوان کا بڑا ماخذ یہی کتاب تھی۔

۲- نقیب الاولیا:

اس کے مصنف خاں بہادر پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد فضلی (۱۸۵۷ء-۱۹۳۰ء) صدیقی المہمی تھے۔ اس کی متعدد جلدیں شائع ہو چکی ہیں

ہمارے پاس اس کی جلد دوم کا دفتر دوم ہے جو ۱۹۱۴ء میں طبع ہوا۔ اُردو میں ہے۔

۳۔ روضۃ الرضوان موسوم بہ تذکرۃ الرمضان :

اس کتاب کے مصنف الحاج مولوی عبدالشکور صدیقی المہمی (۱۸۳۳ء۔ ۱۹۱۵ء) ہیں مگر اس کی تہذیب و اشاعت مصنف کے مرید و خلیفہ مولوی سیّد ابو محمد عطا الحق مدرس علوم مشرقی اینگلو عربک ہائی سکول دہلی نے کرائی۔ یہ کتاب مصنف کی وفات کے دو ماہ بعد ۱۹۱۵ء میں دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی میں طبع ہوئی۔ ۱۹۲ صفحات پر مطبوعہ نسخہ ہمارے پاس ہے۔ اُردو میں ہے۔

۴۔ مآثر الاجداد :

راقم کی تصنیف ہے۔ حضرت ہادی ہریانہ رح کے خاندان کے حالات پر ہے۔

۵۔ کنز الآثار :

حضرت ہادی ہریانہ کے خاندان سے متعلق شاہی فرامین اور

دوسری تین سو کے قریب قدیم تحریریں یکجا کر دی گئی ہیں۔ ترتیب
راقم نے دی ہے۔

۶۔ حالات خواتین :

اُردو قلمی۔ صاحب رضوان الرضوان مولوی عبدالشکور کی دختر
عائشہ بیگم (۱۸۷۰-۱۹۵۲) کی تصنیف ہے۔ ہمارے پاس
ہے۔ ۱۹۱۹ء تک لکھی گئی۔

۷۔ ہریانی زبان میں تالیفات :

مضمون حافظ محمود شیرانی مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین لاہور
نومبر ۱۹۳۰ء و فروری ۱۹۳۱ء

۸۔ امداد فی ماثر الاجداد :

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

۹۔ تحفۃ الاخوان :

مصنفہ شیخ عبدالحق مطبوعہ مطبع فاروقی

۱۰۔ تاریخ عبرت افزا :

مرتبہ مرزا علی رضا محزون مراد آبادی مطبوعہ برلاس پریس مراد آباد۔

۱۱۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیئر۔ رہتک اور حصار (انگریزی)

۱۲۔ لوٹی لائٹس آف دی مغلز (انگریزی) مصنفہ پرسیول سپیئر

۱۳۔ حضرت ہادیٔ ہریانہ رح کی تصنیفات

۱۴۔ ہادیٔ ہریانہ رح کے خاندان کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ شجرے و نسب نامے جس کو سامنے رکھ کر ہم نے اس خاندان کا نسب نامہ موسوم بہ قوام الانساب ترتیب دیا ہے۔

حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہی قدس سرہٗ

ہادی ہریانہ

ترتیب و تہذیب

منظور الحق صدیقی ایم اے
استاد ریاضیات کیڈٹ کالج
حسن ابدال

آئینہ ادب۔ چوک مینار انار کلی لاہور